بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۰ ماہ اگست وستمبر ۲۰۱۲ء مطابق رمضان المبارک وشوال ۱۴۳۳ھ شمارہ نمبر ۸-۹

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۲۱
۳	روزے کی حکمت اور فضائل وثواب	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۲۸
۴	ہماری روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۴۶
۵	حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہریؒ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۶۵
۶	حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب کچھ یادیں کچھ تاثرات	مولانا عبد القوی صاحب	۸۱
۷	ملیالم میں معارف الحدیث کا ترجمہ	مولانا محمد زکریا سنبھلی	۹۹
۸	دعوت واصلاح کا صحیح طریقۂ کار	مولانا عمرین محفوظ رحمانی	۱۰۴
۹	الفرقان کی ڈاک		۱۰۸
۱۰	رحمان فاؤنڈیشن	کارکنان ادارہ	۱۰۹

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے ۔۔۔ منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱- بیڑ (مہاراشٹر)	قاسمی بکڈپو	(0)9960070028
۲- مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳- بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴- بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی

E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان — عمومی 180 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان — خصوصی خریداران 400 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ) 210 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں -/1200 ہندوستان میں -/750 روپے

☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز -/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر خصوصی خریداران -/30£

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان -/5000 روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ 1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721352

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663696 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ- 226018

e-mail : alfurqan_lko@yahoo.com فون نمبر: 0522-4079758

طلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر وپبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۱۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

.....وقتِ دعا ہے

چودھویں صدی ہجری رخصت ہورہی تھی، اور پندرہویں صدی کی آمد آمد تھی کہ ایک شور بپا ہوا کہ ''اسلام کے غلبہ کا دورِ ثانی شروع ہوگیا، اسلامیت اور مغربیت کے مابین عرصہ سے جاری کشمکش میں اسلام کو ''فتح مبین'' مل گئی'' ۔۔۔۔۔۔یہ شور ایران سے اٹھا تھا جہاں دیکھتے ہی دیکھتے جبہ ودستار سے آراستہ بظاہر ایک خالص مذہبی شخصیت آیۃ اللہ خمینی، ایک زبردست عوامی تحریک کے ذریعہ، انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہوئی اور مغربیت کے نمائندے شاہ ایران کو صرف اقتدار سے دست بردار ہی نہیں، ملک بدر بھی ہونا پڑا۔

اُس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کا اس انقلاب کی خبر سن کر خوشی کا جو عالم تھا اور اس کے اور رہبر انقلاب امام خمینی کے بارے میں حسنِ ظن بلکہ حسنِ اعتقاد کے اعتبار سے جو حال تھا، آج اُس کا تصور کرنا بھی آسان نہیں ہے ۔لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں وہ عام مسلمان جن کے دلوں میں اسلام کی سربلندی کی تمنا عرصہ سے کروٹیں لے رہی تھی اور پے درپے ہزیمتوں اور حادثوں کی وجہ سے جن کے دل ودماغ کہیں سے کوئی اچھی خبر سننے کے لئے بے چین وبے قرار تھے ،فطری طور پر انھوں نے آگے بڑھ کر اس نئی اسلامی طاقت اور اس کے ''رہبر انقلاب'' کا پرجوش خیر مقدم کیا، اور نیک توقعات اور خوشی کے احساسات سے اپنے غمگین دل کو شاد کرلیا——

عام مسلمانوں کے اس تأثر کو بے پناہ تقویت اس زبردست پروپیگنڈے سے مل رہی تھی جو غیر

معمولی طاقت اورمہارت کے ساتھ پوری دنیائے اسلام میں کیا جارہا تھا کہ ایران میں بپاہونے والا یہ انقلاب خالص اسلامی ہے، یہ ہرگز کسی مخصوص فرقہ کا انقلاب نہیں ہے۔خاص طور پر انقلاب کا یہ نعرہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو مسحور کئے جارہا تھا: ''ثورة اسلامية ،لاشرقية ولاغربية ،لاشيعية ولاسنية'' ایرانی قیادت کی طرف سے جو پروپیگنڈہ انقلاب کی خالص ''اسلامیت'' کے سلسلہ میں کیا جارہا تھا اس پر مستزاد تھا عرب وعجم کی مختلف اسلامی تحریکوں، تنظیموں اوراقامتِ دین واحیائے خلافت کے لئے کام کرنے والی جماعتوں اورانجمنوں کا یہ رویہ کہ وہ بڑے ہی جوشیلے اوروالہانہ انداز سے اس پروپیگنڈہ کی آمنا وصدّقنا کہہ کر تصدیق کررہی تھیں اوراپنی پوری طاقت لگا کر دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ باور کرارہی تھیں کہ رہبر انقلاب ایک روایتی شیعہ عالم نہیں، وہ ایک وسیع المشرب انقلابی رہنما ہیں اورشیعہ سنی اتحاد کے علم بردار ہیں....وغیرہ وغیرہ .....، اورکچھ لوگ تو اپنے اسی جذبہ سے مغلوب ہوکر ہراس شخص کو ''رجعت پسند'' ''تنگ نظر''، ''مسلکی عصبیت کا شکار''، ''بلند نگاہی، تحیر کی جذبے، انقلابی عزائم سے خالی ایک شکست خوردہ مولوی'' بلکہ امریکی وسعودی ایجنٹ جیسے القاب سے نوازنے میں ذرا بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے جو ایرانی انقلاب کے بارے میں کسی اورنقطۂ نظر کا اظہار کرتا ہوا سنائی پڑتا یا اس بارے میں کچھ بھی احتیاط اورانتظار سے کام لینے کی تلقین کرتا نظر آتا تھا۔

اپنے باپ دادا کی مدح سرائی یا قصیدہ خوانی کے مقصد سے نہیں، ایک تاریخی واقعہ کی حکایت کے طور پر کہتا ہوں کہ ٹھیک اسی زمانے میں اوران ہی حالات میں صاحب الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے دل ودماغ پر صورت حال کی تحقیق کا ایسا شدید داعیہ پیدا ہوا کہ ۸۰ سال سے زیادہ کی عمر اور مختلف امراض وعوارض میں مبتلا ہونے کے باوجود انھوں نے ہزار ہا ہزار صفحات کا مطالعہ کیا تا کہ وہ انقلاب کی حقیقی نوعیت اوراس کی فکری ومذہبی بنیادوں کو اورقائد انقلاب کے اصل عزائم کو براہ راست ان کی تقریروں اور تحریروں کے مطالعہ کے ذریعہ سمجھ سکیں، ان کا یہ تحقیقی مطالعہ سال بھر سے زیادہ ایسی حالت میں جاری رہا کہ سخت ضعف ونقاہت کی حالت میں شدید محنت کی وجہ سے بار بار ان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوجاتا تھا، ہم سب گھر والے، دوسرے اہل تعلق اورمعالجین سب ان سے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی عرض کرتے تھے، وہ خاموشی سے سب کی بات سن تو لیتے تھے مگر محنت میں ذرا بھی کمی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے ——— اس مطالعہ کے دوران ایسی عبارتیں ان کی نظر سے گذرتی تھیں کہ فرط تاثر سے - تکان کے علاوہ- ان کے دل

وماغ کوشدید صدمہ بھی پہنچتا تھا، اور ہنگامی طور پر انہیں طبی امداد اور نگرانی کی بھی ضرورت پڑ جاتی تھی، مگر ذرا افاقہ ہوتے ہی کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر وہ اپنے کام میں مصروف ہوجاتے تھے، (نیز اس دوران وہ صحیح نتیجہ تک پہنچنے اور حسن نیت کی توفیق کی دعاؤں کا کیسا اہتمام بھی کرتے تھے وہ بھی ہماری زندگی کا ایک نہایت سبق آموز مشاہدہ ہے) —— بہرحال ایک ڈیڑھ سال کی شبانہ روز کی محنت کے بعد انھوں نے اپنے مطالعہ کا حاصل اپنی عہد آفریں کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کر دیا —— اس کتاب کا اصل اردو ایڈیشن تو دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر کے اردو خواں حلقے میں پھیل گیا، پھر بہت ہی کم عرصہ میں دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوگئے اور کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانان عالم کی ایک خاصی بڑی تعداد سچائی کو جان گئی اور ایک بڑے فریب میں مبتلا ہونے سے بچ گئی۔

اسی زمانے میں جب کہ صاحب الفرقان اس مطالعہ وتحقیق میں مشغول اور منہمک تھے تقدیر الٰہی نے خانوادۂ الفرقان کے دوسرے سب سے مؤقر اور صاحب علم رکن برادر گرامی مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے لئے جو برطانیہ میں رہتے ہوئے خالص معروضی انداز سے ایرانی انقلاب کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ خود ایران جا کر، اور وہاں کی سرکاری تقریبات میں شرکت کر کے اور خمینی صاحب اور دوسری اہم شخصیات سے مل کر بہت قریب سے اور براہ راست حالات کا مشاہدہ کریں —— اور اس کے بعد ہی کوئی رائے قائم کریں —— ہوا یہ کہ جنوری ۱۹۸۱ء میں انہیں لندن میں ایرانی سفارت خانے سے فروری میں تہران میں منعقد ہونے والی انقلاب کی تیسری سال گرہ میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی تو انھوں نے (خود ان ہی کے لفظوں میں) ''یہ سوچ کر اسے قبول کر لینے میں زیادہ دیر نہیں لگائی کہ میں آج کل خیالات کی جس کشمکش میں پھنسا ہوا ہوں، یہ اس سے نکلنے کا بہترین موقع ہے.....۔ (الفرقان: مارچ اپریل ۱۹۸۳ء)

راقم سطور کو آگے چل کر عالم اسلامی کی تازہ ترین صورت حال کے بارے میں اس مضمون میں جو کچھ عرض کرنا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ حضرت والد ماجد اپنے مطالعہ، اور بھائی صاحب مدظلہ اپنے مشاہدے کے نتیجے میں جس نتیجے تک پہنچے تھے اور جس کو دونوں حضرات نے بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ الفرقان ہی کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے سامنے رکھ دیا تھا، پہلے اس کا خلاصہ آپ کی نظر سے گذر جائے

،تب ہی اس مضمون میں میرا اصل مدّعا عرض کرنا مناسب ہوگا، کیونکہ میرا احساس ہے کہ آپ میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کا الفرقان سے رشتہ گذشتہ قریبی عرصہ ہی میں جڑا ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مطالعہ وتحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ:

یہ انقلاب دنیا کے ملکوں یا مسلم ممالک میں برپا ہونے والے عام سیاسی انقلابات سے بہت مختلف ہے، یہ دراصل مذہب شیعہ کے بنیادی عقیدوں ''عقیدۂ امامت'' ''امام آخرالزماں مہدی منتظر کی غیبتِ کبریٰ'' اور ''اس غیبت کبریٰ کے زمانے میں خمینی صاحب کے ایجاد کردہ نظریۂ ولایت فقیہ'' پر مبنی ہے۔

عقیدۂ امامت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نبی اور رسول، اللہ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتے ہیں اسی طرح نبی کے بعد ان کے جانشین وخلیفہ امام بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتے ہیں، وہ نبیوں ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں، وہی امت کے دینی ودنیاوی سربراہ اور حاکم ہوتے ہیں اور امت پر بلکہ بشمول حرمین شریفین ساری دنیا پر حکومت کرنا صرف ان کا حق ہوتا ہے، ان کے علاوہ جو بھی حکومت کرے وہ غاصب وظالم اور طاغوت ہے —— اس عقیدے کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس دنیا کے خاتمہ تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ امام نامزد ہیں —— پہلے امام حضرت علیؓ تھے، اس کے بعد حضرت حسنؓ، پھر حضرت حسینؓ اور پھر ان ہی کی اولاد میں ترتیب وار نو[9] اور حضرات، ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا امام وخلیفہ اور امت کا دینی ودنیاوی سربراہ وحاکم تھا، (اگرچہ ایک دن کے لئے بھی ان کو حکومت حاصل نہ ہوسکی) —— اس عقیدہ کے مطابق آخری اور بارہویں امام جو امام حسن عسکری م ۲۶۰ھ کے بیٹے ہیں جو بچپن ہی میں ایک غار میں روپوش ہوگئے تھے اور ابھی تک وہ اسی غار میں ہیں، کچھ دن تک تو ان کے پاس کچھ خاص خاص لوگ جاتے رہے، اور پھر یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اور اِس عقیدے کے مطابق وہ تقریباً بارہ سو ۱۲۰۰ سال سے غار ہی میں ہیں اور ایک وقت آئے گا کہ وہ اپنے غار سے نکلیں گے —— اور پھر حرمین شریفین سے شروع کرکے بیت المقدس اور پھر پوری دنیا میں انقلاب برپا کرکے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لیں گے، اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے —— اس عقیدہ کے مطابق یہی امامِ غائب وہ امام مہدی ہیں جن کا انتظار کیا جارہا ہے اور جن کے جلد ظہور ہونے کی دعائیں کی جارہی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مطالعہ وتحقیق کا صرف حاصل اور

خلاصہ پیش کرنا مقصود ہے، ہر موضوع کے تفصیلی دلائل اور حوالوں کے لئے ہماری گذارش ہے کہ آپ اصل کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' کی طرف رجوع کریں۔

نظریۂ ولایت فقیہ:

جہاں تک خمینی صاحب کے پیش کردہ نظریۂ ولایت فقیہ کا سوال ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ:

''علمائے شیعہ کا صدیوں سے فتوی اور عمل مذکورہ بالا عقیدۂ امامت اور غیبو بت کبریٰ کی بنا پر یہی رہا کہ بارہویں امام کی آمد کا انتظار کیا جائے، ان کی جلد آمد کی دعائیں کی جائیں —— اور اس وقفہ میں علماء صرف وعظ ونصیحت، تعلیم وتربیت جیسے کاموں میں مصروف رہیں، سیاست وحکومت سے دور رہیں، اس لئے کہ یہ صرف اماموں کے دائرۂ اختیار کی چیز ہے۔

خمینی صاحب نے جو شروع سے کچھ اور ہی تمنائیں اور عزائم رکھتے تھے —— شیعہ علماء کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس روایتی اور مسلّمہ نقطۂ نظر سے انحراف کر کے اس سلسلہ میں ایک نیا نظریہ یہ پیش کیا کہ امام غائب کے اپنے غار سے باہر آنے میں بہت دیر لگ رہی ہے اور اس دوران معاشرہ کا حال بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے، اس لئے فقہاء یعنی شیعہ مجتہدین کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ امام آخرالزماں کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کا نظام اپنے ہاتھ میں لینے کی جدوجہد کریں اور جب ان میں کوئی فقیہ جو ''علم'' اور ''عدل'' کی صفات سے آراستہ ہو، اس مقصد کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو اس کو وہ سارے اختیارات حاصل ہوں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے، اور تمام لوگوں پر اس کی سمع وطاعت لازم ہوگی، اور انتظامی، سیاسی اور حکومتی اعتبار سے وہ اسی طرح مالک ومختار ہوگا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المؤمنینؑ (یعنی حضرت علیؓ) تھے۔

اس نظریہ کے مطابق خمینی صاحب دراصل ایسے ہی واجب الاطاعت حکمراں اور امام غائب کے نائب اور قائم مقام ہیں اور ان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ امام مہدی کے غار سے باہر تشریف لانے کے لئے ماحول کو سازگار بنائیں اور ان کی آمد پر وہ انقلاب کا جھنڈا ان کے حوالے کریں۔ [1]

---

[1] انقلاب کے بعد ایران کے سب سے بڑے اخبار تہران ٹائمز اور ایرانی میڈیا کے دوسرے ذرائع کے ذریعہ بار بار یہ بات دہرائی جارہی تھی، ایک زمانہ میں جب کہ خمینی صاحب کی بیماری یا ریٹائرمینٹ کی کچھ خبریں باہر آنے لگی تھیں تو اس وقت بعض اعلیٰ سطحی ذمہ داروں کے ایسے بیانات بھی آئے تھے کہ یہ خبریں بے بنیاد ہیں، امام صاحب تو انقلاب کا جھنڈا امام زماں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸ پر)

خمینی صاحب کے پیش کردہ نظریۂ ولایت فقیہ کا یہ لازمی تقاضا ہے اور خود انھوں نے اس کو صراحۃً اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' میں لکھا بھی ہے کہ امت کا جائز حاکم وسربراہ وہی ہوسکتا ہے جو عقیدۂ امامت، اور ایک غار میں تقریباً بارہ سو سال سے ان کی روپوشی، اور اس زمانۂ غیبوبت میں ولایت فقیہ کے نظریہ کو تسلیم کرتا ہو، اور جب ایسے کسی شخص کے ہاتھ میں زمام اقتدار آجائے تو اس کا فرض ہوگا کہ عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے موجودہ حکام سے اقتدار چھیننے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

حضرات شیخینؓ اور عام صحابہ کرام رہبر انقلاب کی نظر میں:

صاحب الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ایرانی انقلاب کے قائد اعظم خمینی صاحب کی تصنیفات کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ کرکے صحابۂ کرام کے بارے میں ان کے اپنے عقائد وافکار کو بھی بے شمار حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے —— اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

''یہ ایک ناقابل انکار سچائی ہے کہ عام شیعہ علماء کی طرح خمینی صاحب بھی سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان ذی النورینؓ، اور (چار صحابہ کو مستثنیٰ کرکے) تمام ہی صحابہ کو منافق، مرتد، کافر، صرف مال وجاہ کے طالب وغیرہ وغیرہ سمجھتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی فارسی تصنیفات میں کسی ابہام یا اخفاء یا تقیہ سے کام نہیں لیا ہے، تاہم غالباً کچھ مصالح کے پیش نظر اپنی بعض عربی تحریروں میں انداز قدرے مختلف رکھا —— بہرحال بے شمار حوالوں کے ساتھ اس تحقیق میں یہ بات بے غبار ہوکر سامنے آئی کہ: خمینی صاحب کے نزدیک: (نقل کفر کفر نہ باشد)

ابوبکر وعمر نے حکومت واقتدار کی طمع وہوس میں ہی اسلام لانے کا ڈھونگ رچا تھا، وہ سالہا سال

(صفحہ ۷ کا بقیہ حاشیہ)

کے حوالے کرکے ہی اس امانت سے دست بردار ہوں گے، نیز وہاں کی تقریبات میں اسلامی ترانوں کے درمیان بڑے اونچے آہنگ میں یہ شعر بھی پڑھا جاتا تھا:

الٰہی ،الٰہی،تاانقلاب مہدی ،خمینی را نگہدار
الٰہی ،الٰہی ،حتی ظہورمہدی ،احفظ لنا الخمینی

—— مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے اپنے سفر ایران کے دوران وہاں کے ذرائع ابلاغ میں بعض ایرانی قائدین کے یہ بیانات خود پڑھے تھے اور تقریبات میں یہ شعر خود سنے تھے، اور انھوں نے اپنے سفرنامۂ ایران میں ان کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: الفرقان: مارچ اپریل ۱۹۸۳ء

اسی لالچ میں اپنے کو دینِ پیغمبر سے چپکائے رہے، انھوں نے اپنے حامیوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی، ان سب کا مقصد وفات نبوی کے بعد حکومت پر قبضہ کرلیناہی تھا، یہاں تک کہ اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ امامت وخلافت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کا اعلان بھی کردیا جاتا تو یہ لوگ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے یا کوئی حدیث گڑھ کے یہ مشہور کردیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا تھا کہ امام وخلیفہ کا انتخاب باہم مشورہ سے ہوگا یا یہ مشہور کردیتے کہ ان آیات میں یا تو خدا سے یا جبرئیل سے یا رسول اللہ سے کچھ غلطی ہوگئی....

خمینی صاحب نے ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر یہ لوگ محسوس کرتے کہ قرآن میں حضرت علی کی امامت کے صریح حکم کی وجہ سے اب مسلمان رہتے ہوئے ہم حکومت نہیں حاصل کرسکیں گے تو وہ بلاتکلف اسلام کو چھوڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوجاتے ..... اور جہاں تک عام صحابہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں خمینی صاحب نے واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ وہ یا تو ابوبکر وعمر ہی کے حامی تھے، یا ان کے خلاف کچھ بھی کہنے کی جرأت وہمت ان کے اندر نہیں تھی۔ نیز دنیا بھر کے ''اہل سنت'' کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ لوگ قرآن کے نہیں ابوبکر وعمر کے پیرو ہیں، یہ دونوں قرآن کے خلاف جو بھی کرتے تھے سنی لوگ قرآن کے مقابلہ میں اسی کو قبول کرلیتے ہیں اور اسی کی پیروی کرتے ہیں، خمینی صاحب نے اپنی بعض تحریروں میں حضرت عمرؓ پر صراحۃً کفر اور زندقہ کا الزام بھی لگایا ہے —— نیز حضرت عثمان اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی نہایت گھٹیا زبان استعمال کی ہے۔

کتاب میں خمینی صاحب کے اس طرح کے خیالات، ان کی تردید کی غرض سے نہیں پیش کئے گئے ہیں بلکہ ان کے پیش کرنے کا واحد مقصد مصنف کتاب کے پیش نظر صرف یہ رہا کہ وہ سنی مسلمان حقیقت حال سے آگاہ ہوجائیں اور اس پروپیگنڈہ کے بارے میں خود اپنی رائے قائم کریں جو بڑے زور وشور سے اس زمانے میں جاری تھا اور جس کا مقصد پوری دنیا کے سنی عوام کو یہ باور کرانا تھا کہ خمینی صاحب شیعہ سنی اختلاف سے بالاتر بلکہ بیزار ہیں، وحدت اسلامی کے سچے داعی ہیں، حضرات خلفائے راشدین اور صحابۂ کرامؓ کا احترام کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو وہ شیطان قرار دیتے ہیں جو عصر حاضر میں شیعہ سنی اختلاف کی بات کریں۔ الغرض حضرت مصنف کا روئے سخن پوری کتاب میں صرف سنی مسلمانوں ہی کی طرف رہا ہے، اور

بالخصوص ایسے تمام حضرات کو جو ناواقفیت کی بنا پر یک طرفہ پروپیگنڈہ کی وجہ سے متاثر ہو گئے تھے، کتاب میں کئی مقامات پر بڑے ہی مخلصانہ اور خیر خواہانہ انداز میں صحیح معلومات کے سامنے آنے کے بعد اپنے موقف کو درست کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے، ایک جگہ پر ایسے ہی حضرات سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا:

ہم ان جماعتوں، تنظیموں اور ان کے خبارات ورسائل اور ان اشخاص وافراد کا نام لئے بغیر ان کی خدمت میں محض لوجہ اللہ نیاز مندانہ اور مخلصانہ طور پر عرض کرتے ہیں..... کہ آپ حضرات نے خمینی صاحب اور ان کی برپا کئے ہوئے انقلاب کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا اس کی وجہ حقائق سے اور شیعہ حضرات کے عام معمول ''تقیہ'' کے طول وعرض سے ناواقفی اور غلط معلومات تھے، لیکن اب جب کہ اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' کے صفحات اور اس کی عبارتوں میں خمینی صاحب پوری طرح آپ کے سامنے آگئے: تو آپ سے نیاز مندانہ اور مخلصانہ گذارش ہے کہ آخرت کی مسؤلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، آپ اس غلطی کی اصلاح، اس کی تلافی اور امت مسلمہ کے عام افراد پر پڑنے والے اس کے اثرات کے ازالہ کی کوشش سے دریغ نہ کریں، یہ آپ کا دینی فریضہ اور خود آپ کی ذات کا آپ پر حق ہے۔''

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا پوری کتاب کا روئے سخن اگر چہ صرف ایسے ہی سنیوں کی طرف ہے، تاہم کہیں کہیں شیعہ حضرات سے بھی مصنف نے کچھ کہا ہے اور وہ ویسے بھی نہایت مثبت اور دردمندانہ لہجہ میں، مثلاً ایک مقام پر صحابۂ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کے افکار وخیالات کے دوررس اور سنگین لوازم ونتائج کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے قلم سے یہ تمنا نکلی ہے کہ:

''شیعہ حضرات میں جو سلیم الفطرت اور نیک دل ہیں، کاش وہ بھی خمینی صاحب کے فرمودات کے ان لوزام ونتائج پر غور فرمائیں''۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ کے براہ راست مشاہدات کا خلاصہ:

اس مضمون کے شروع میں ذکر آیا تھا کہ جن دنوں صاحب الفرقان حضرت مولانا نعمانیؒ ایرانی انقلاب کی حقیقی نوعیت اور خمینی صاحب کی شخصیت اور ان کے عزائم کو ان کی اپنی تحریروں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، ان ہی دنوں میں ان کے سب سے بڑے فرزند اور ان کے علوم وافکار کے امین

(مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی) کو ایران جا کر براہ راست اِن سب چیزوں کو دیکھنے کا موقع ملا تھا...... اب عرض ہے کہ انھوں نے بھی اپنے مشاہدات اور تأثرات پیش کرنے میں کسی عجلت سے کام نہیں لیا تھا، بلکہ تقریباً ایک سال تک تجزیہ اور غور وفکر کا سلسلہ جاری رکھا تھا، اس کے بعد ہی انھوں نے ''انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت، سفرِ خیال کی ایک سرگذشت'' کے زیرِ عنوان الفرقان: مارچ اپریل ۱۹۸۳ء میں آنکھوں دیکھے احوال وکوائف پر مبنی، اپنے تأثرات پیش کئے تھے —— مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان تأثرات کا بھی خلاصہ پیش کر دیا جائے کیونکہ آج کے ہمارے بہت سے قارئین وہ ہیں جن کی نظر سے وہ مضمون گذرا ہی نہیں ہوگا، اس مضمون میں انھوں نے اپنے تفصیلی مشاہدات کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنی قطعی رائے ان لفظوں میں پیش کی تھی:

''ایران کا انقلاب بیشک اسلامی انقلاب ہے، مگر، مطلق اسلامی نہیں بلکہ خاص ''شیعہ اسلامی'' — شیعیت والا اسلام بھی قائم کرنا مقصود ہے اور خود شیعیت کو عالم اسلام اور ہو سکے تو اس سے بھی آگے تک حاوی کرنا بھی!

انھوں نے ایسی کئی باتیں اس سفر میں وہاں بچشم خود دیکھی تھیں جن سے ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اس انقلاب کا اصل نشانہ ''حرمین شریفین'' پر قبضہ کرنا ہے —— اس طرح کی ایک چیز کا بیان ان ہی کی زبانی سن لیجئے!

''ایک دن تہران کے مہمان خانۂ بزرگ استقلال ہوٹل میں..... ایک ..... نئے بینر کا اضافہ ہم نے دیکھا . . . . اس کی عبارت تھی: سنتحدو سنتلاحم، حتی نستردَّ مِن ایدی المغتصبین اراضینا المقدَّسةَ القُدسَ و الکعبةَ و الجولان ''ہم متحد ہونگے، جنگ آزما ہوں گے، یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضہ سے اپنی مقدس زمینیں، بیت المقدس، کعبہ اور گولان واپس لے لیں''

اس طرح کی چیزوں کے مشاہدے کے بعد ان کے نزدیک ''کسی ہلکے سے ہلکے شبہ کی بھی گنجائش اس میں نہیں رہی کہ حرمین، بشمول کل عالم اسلام، پر شیعی تسلط اس انقلاب کا ایک قطعی ہدف ہے۔ ایک اور جگہ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ نے اس سلسلہ میں اپنے تأثرات کو ان لفظوں میں بیان کیا تھا:

''یہ تو دوسرا اسرائیل پیدا ہو رہا ہے، غیر فرقہ وارانہ اسلام اور اخوت واتحاد اسلامی صرف لبادہ ہے، ورنہ اصل میں مکمل شیعیت ہے اور عزائم کا آخری نشانہ مدینہ منورہ ہے (بوجہ روضۂ اقدس وجنت البقیع) جو اسرائیلی عزائم کا بھی اصل نشانہ ہے''

اپنے مضمون میں بھائی صاحب نے ایران کے سب سے مؤقر اخبار تہران ٹائمز کے کئی اداریوں کا بھی حوالہ دیا تھا، جن میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ:

''مسلمانان عالم اور محروم ونا آسودہ عوام کو چاہئے کہ امام مہدی کے یوم ولادت کے ایسے مسرت آفریں موقع پر، حضرت امام مہدی کے الوہی (Divine) انقلاب کے اس اساسی مرکز (ایران) کے ماتحت ایک چھتری کے نیچے متحد ہوجائیں، اور نجات دہندہ کی آمد کے لئے زمین تیار کرنے میں انتھک طور سے کوشاں ہوں.... اور..... روئے زمین کے تمام گوشوں میں بسنے والے انسانوں کو چاہئے کہ ایران سے جس کے ولی ومولیٰ امام زماں حضرت مہدی ہیں، سبق حاصل کریں اور اس ملک کو اس امر میں امنگ وحوصلہ کی فیضان بخشی کا سرچشمہ تصور کریں کہ ذات اقدس اور قدسی صفات کی طاقت اور مدد پر تکیہ کر کے کس طرح بدی کی طاقتوں کا جماؤ توڑا جاسکتا ہے، اور نوع انسانی کے نجات دہندہ کی آمد کے لئے میدان ہموار کیا جاسکتا ہے ——

ان اداریوں سے انھوں نے جو نتیجہ اخذ کیا تھا وہ یہ تھا:

''ایران کا اسلامی انقلاب، جو شروع میں اپنے اصل ہدف کے اعتبار سے بہت وسیع ذہن کا حامل اور فرقہ وارانہ تصورات سے بالاتر نظر آتا تھا، واقعہ میں اس کے برعکس خالص اور مکمل طور سے شیعی ذہن کا حامل ہے اور اس کی عالمی توسیع کی دعوت وجدوجہد بھی بلا کسی فرق کے اپنے اندر یہی ذہن رکھتی ہے.....''

روس اور ایران:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ بھائی صاحب کا یہ سفر انقلاب کی تیسری سال گرہ کی تقریبات میں شرکت کے عنوان پر ہوا تھا، اس سلسلہ میں ایک تقریب یوم انقلاب کی فوجی پریڈ بھی تھی، انھوں نے اس موقع پر جو کچھ دیکھا تھا اس میں یہ منظر بھی تھا کہ پہلے پہل امریکہ کے ساتھ روس کے جھنڈے بھی پامال کرنے کے مقصد سے بچھائے گئے مگر روس کے فوجی اتاشی کے احتجاج پر فوراً ہی روسی جھنڈا ہٹالیا گیا——

اسی طرح انھوں نے وہاں اس چیز کو بھی نوٹ کیا تھا کہ افغانستان سے جو لوگ وہاں بلائے گئے تھے وہ سب کے سب شیعہ تھے، جب کہ افغانستان سنی مسلمانوں کی اکثریت کا ملک ہے اور وہاں روس سے مزاحمت صرف سنی علماء ہی کر رہے تھے، یہ سب دیکھ کر اُن کو لندن ہی میں مقیم ایک سنی افغانی کی یہ بات یاد آئی کہ'' ہمارا کوئی وفد آج تک ہزار کوشش کے باوجود امام خمینی کی بارگاہ میں بار نہیں پاسکا—— اور دوسرے اور قرائن کے ساتھ اس پالیسی کو جوڑ کر دیکھنے سے ان کے ذہن نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا تھا کہ''اس تفریق کے پیچھے صرف انقلاب کی اندرونی شیعیت ہی نہیں بلکہ روس سے اندرونی دوستی بھی کام کر رہی ہے''۔

اسرائیل اور ایران:

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متعلق ان کی پوری تحریر کا

اقتباس نقل کر دیا جائے، پس ملاحظہ فرمائیے:

''اسرائیل کے لئے ایران اپنے نمبر ایک دشمن ہونے کا اظہار کرتا ہے، ہر وقت بلند کئے جانے والے مستقل نعروں میں ''مرگ بر اسرائیل'' مستقل طور پر شامل ہے، مگر اس نعرہ کے علاوہ ہمارے سامنے آج تک کوئی ٹھوس چیز ایسی نہیں آئی ہے جو اس نمبر ایک دشمنی کا عملی ثبوت بنتی ہو، جب کہ اس درمیان میں وہ وقت بھی آ کر گذر گیا کہ دشمن ۱ تو کیا دشمن ۲، ۳ اور ۴ کو بھی کچھ کر کے دکھائے بغیر نہ رہنا چاہئے تھا—— ہمارا اشارہ سبھی سمجھ گئے ہوں گے، گذشتہ سال کے لبنان پر اسرائیلی حملے اور بیروت کے ۶۷ روزے محاصرہ کی طرف ہے، جس میں جنوبی لبنان اور مغربی بیروت فلسطینی پناہ گزینوں کا مقتل اور مشہد بن کر رہ گیا۔ ایران کی سرائیلی دشمنی کا سبب فلسطین اور اس کے یہ ستم زدہ باشندے ہی ہیں مگر جس وقت اسرائیل ان مظلوموں پر اپنے ظلم وستم کا نقطۂ عروج دکھا رہا تھا، ایران کی حربی طاقت عراق کی سرحدوں پر القدس آپریشن کا بگل بجا رہی اور زور دکھا رہی تھی، کون وہ عقل کا دشمن ہوگا جو یہ مان لے کہ فلسطینیوں کے معاملہ میں اسرائیل کے دشمن نمبر ایک کا یہی کام اس وقت ہونا چاہئے تھا؟ ایران نے اس موقع پر فلسطینی مہاجروں کو اپنی مدد کی جو خیرات دی وہ چند سو (یا اس سے کچھ اور زیادہ سہی) رضا کار تھے جو شام بھیج دئے گئے، شام میں پہنچ کر انہیں کیا کرنا تھا؟ شام تو خود لبنان کے اندر لاؤ لشکر رکھتے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑا فلسطینیوں کی تباہی کا تماشا دیکھ رہا تھا تا کہ اس کی خیر رہے[1] وہ کیا ان رضا کاروں کو اپنے علاقے سے کوئی کارروائی کرنے کی اجازت دینے والا تھا۔۔۔ آخری درجے کا ایک پھوہڑ مزاق بس اسے مسلم رائے عامہ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے——

ایران اگر ذرا بھی سنجیدہ ہوتا اور اسرائیل دشمنی کے نعرہ میں صداقت ہوتی تو بجز ایک بات کے کوئی دوسری اس وقت نہیں ہو سکتی تھی اور وہ یہ تھی: عراق سے جنگ بندی کا اعلان اور جن عرب حکومتوں سے سیاسی محاذ آرائی کی کیفیت چل رہی تھی، ان کے معاملہ میں اس محاذ آرائی کی فی الوقت موقوفی کا اعلان اور پھر حتی الامکان پوری سرگرمی سے اس بات کی کوشش کہ کوئی صورت لبنان کے فلسطینیوں کی مدد کو پہنچنے کی نکل سکے تو نکالی جائے——

یہ رویہ یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ فلسطینیوں کے ساتھ عدم خلوص سے بڑھ کر کہیں روس کی طرح اسرائیل سے کوئی مفاہمت تو نہیں ہے؟ اور پھر یاد آتا ہے کہ جنوری ۸۲ء میں اسلحہ سے لدا ایک ہوائی جہاز روس کے علاقہ میں گرا تھا جس سے دستاویزی ثبوت برآمد ہوئے تھے کہ یہ اسلحہ کی کھیپ اسرائیل سے ایران جا رہی تھی، ایران نے اس کا بڑی سختی سے انکار کیا—— اور یہ الزام اور انکار کا سلسلہ چل رہا تھا کہ ایران

[1] اور یہ بھی یاد رہے کہ شام کی حکومت بھی کٹر شیعہ اور سنی دشمن ہے—— الفرقان

کا سفر ہوگیا۔ امام خمینی صاحب سے مہمانوں کی ملاقات کا پروگرام کئی دن کے بعد ہوا، اس درمیان میں اس قصہ کا کچھ خیال بھی نہ رہا تھا کہ امام صاحب کی ملاقاتی تقریر میں اس کا ذکر آیا اور..... امام صاحب نے اس کی تردید کے تکرار پر اتنا زیادہ زور صرف کیا کہ ..... یقین کے قریب قریب درجے کا شبہ ہوگیا کہ ضرور یہ واقعہ ہے، کیونکہ یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ ..... جناب خمینی صاحب ایک ایسے الزام کی تردید پر اتنا زور صرف کریں جس کے متعلق انھیں.... پورا اعتماد ہونا چاہئے تھا کہ کوئی اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوگا اور قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ اس کی صفائی یا تردید میں ایک آدھ لفظ سے زیادہ کہا جائے، ایک ایسے الزام کی تردید پر ان کو اتنا زور صرف کرتا دیکھ کر دل نے کہا کہ ضرور واقعہ ہے..... اور اسرائیل کی مخالفت اور اس سے دشمنی کے اظہار میں جو کچھ بھی انقلابی تحریک کے ریکارڈ پر ہے وہ سب ایک استحصالی فریب کاری تھی اور اسی لئے امام صاحب کو سب سے زیادہ اس کا یقین نہیں ہے کہ لوگ اس مخالفت کو حقیقت سمجھتے رہے ہوں گے .... اور کوئی جانے نہ جانے انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے اور اس بنا پر کبھی وہ لطیفہ پیش آیا تھا جس سے ''داڑھی میں تنکہ'' ضرب المثل بنی۔

بہرحال یہ اسرائیل سے اسلحہ کے حصول یا کسی قسم کے تعلق کی بات تو محض میرے تأثر کی حد تک یقینی ہے..... البتہ اسرائیل سے دشمنی کی بات واقعات کی روشنی میں یقیناً غلط اور بے حقیقت کہی جانے کی مستحق ہے۔

.....اور اسی صورت حال کے نتیجے میں اب تو یہ کہنا بھی صحیح نظر آتا ہے کہ ''مرگ بر امریکہ'' کی حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے، اصل دلچسپی کا مرکز اور نشانہ خلیجی علاقہ اور جزیرۃ العرب ہے۔ یہاں کی حکومتوں کا خاتمہ اور ان کی جگہ شیعہ اقتدار اصل مقصود ہے اور باقی سب اس مقصد کے ذرائع''

(الفرقان: مارچ اپریل ۱۹۸۳ء)

ایرانی قیادت کا اصل نشانہ حرمین شریفین:

راقم سطور کو اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے گھر میں ایرانی انقلاب، خمینی صاحب اور شیعیت کے جس مطالعہ کا اور اس کے متوقعہ مضمرات ونتائج پر جس غور وفکر کا سلسلہ ۱۹۸۲ء سے شروع ہوا، اور جو بیسویں صدی کی پوری نویں دہائی میں جاری رہا، اور جس میں انہماک کا حال یہ تھا کہ اس مدت میں ہم لوگوں کی باہمی گفتگوؤں میں زیادہ تر یہی موضوع چھایا رہتا تھا، اور بار بار اس گفتگو میں یہ تأثر تازہ اور شدید سے شدید تر ہوتا تھا کہ اِس صورت حال کا سب سے زیادہ خطرناک اور تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ ''ایرانی انقلاب کا اصل

نشانہ حرمین شریفین ہیں، اور آج نہیں تو کل حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کی کوشش ایرانی قیادت ضرور کرے گی'' —— جن اسباب سے ہم اس تأثر پر متفق ہوئے تھے ان میں تو کچھ تو ظاہری تھے، جن کا ثبوت دنیا کے مختلف ذرائع ابلاغ سے ملتا تھا (جن پر نظر رکھنے کی یہ راقم کوشش کرتا رہتا تھا، اور جن کا تذکرہ اس زمانہ میں اس کے قلم سے نکلے ہوئے اداریوں میں آتا تھا) یا ان واضح مشاہدات سے ملتا تھا جو سفر ایران کے موقع پر بھائی صاحب مدظلہ کے براہ راست مشاہدے میں آئے، جن کی چند مثالیں آپ نے سطور بالا میں ملاحظہ فرمائیں —— اور کچھ اسباب خالصۃً مذہبی اور علمی تھے یعنی شیعہ عقائد اور تعلیمات کی روشنی میں ایسا کرنا خمینی صاحب اور ان کی ہمنوا ایرانی قیادت کے ذمہ مذہبی لحاظ سے لازمی تھا —— اس پہلو پر اصل نظر حضرت والد ماجدؒ کی تھی جنھوں نے قدیم وجدید شیعہ کتابوں کا نہایت گہرا اور تفصیلی مطالعہ کیا تھا، اور اسی مطالعہ نے ان کو مذکورہ نتیجہ تک پہنچایا تھا، یہی وجہ تھی کہ اِن کے دل میں شدید داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کسی طرح حرمین شریفین کی سرکردہ مذہبی وعلمی شخصیتوں سے مل کر ان کو بھی اس خطرہ کی سنگینی کا احساس دلائیں، اور ان کو ان کے مقابلے کے لئے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی طرف متوجہ کریں —— چنانچہ انھوں نے شدید معذوری اور ضعف ونقاہت کے حال میں، جس کی وجہ سے وہ کئی سال سے رابطۂ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن ہونے کے باوجود اس کے سالانہ جلسوں میں بھی شریک نہیں ہو سکے تھے، دسمبر ۱۹۸۴ء کے بالکل اواخر میں حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور اگر آپ جاننا چاہتے ہوں کہ وہ کیا بات تھی جو وہ حرمین شریفین کے علماء کے علم میں لانا چاہتے تھے تو بہتر ہوگا کہ وہ بات آپ ان ہی کی زبانی سنیں، انھوں نے اس سفر سے واپس آکر سفر کی جو روئداد خود لکھی تھی اور الفرقان: فروری ومارچ اور اپریل ۱۹۸۵ء میں شائع کی تھی، اس میں انھوں نے لکھا تھا:

> ''مذہب شیعہ کی مستند ومسلم روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ امام غائب غار سے برآمد ہونے کے بعد پہلے مکہ مکرمہ آئیں گے، وہاں بیعت امامت لینے اور منکرین (یعنی سنی مسلمانوں) کو قتل اور نیست ونابود کرادینے کے بعد وہ مدینہ منورہ آئیں گے، یہاں پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ (معاذ اللہ) روضۂ اقدس کی دیوار توڑوا کے حضرات شیخین کی قبروں سے ان کی لاشوں کو نکلوائیں گے، پھر ان کو زندہ کرکے ان کے بے شمار جرائم ومظالم کی سزا میں ان کو سولی پر چڑھائیں گے، اور ہزاروں بار زندہ کرکر کے اسی طرح سولی پر چڑھائیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی زندہ کرکے سزا دیں گے اور تمام صحابہ کو جنھوں نے شیخین کو خلیفۂ رسول مان کر ان کا ساتھ دیا ان کو بھی اسی طرح زندہ کرکے اور ان سے محبت کرنے والے مسلمانوں (یعنی

سنیوں) کو بھی زندہ کر کے، سب کو سزا دیں گے اور آخر میں سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔۔۔۔

ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ان سب کارروائیوں کا کرنا امام غائب کے لئے جب ہی ممکن ہوگا جب کہ دونوں مقدس شہروں پر شیعی حکومت قائم ہو، پس اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ خمینی صاحب نے ''ولایت فقیہ'' کے نظریہ کی بنیاد پر امام غائب کے قائم مقام اور نائب کی حیثیت سے انقلاب کے عنوان سے جو ''جہاد'' شروع کر رکھا ہے اس کا خاص ہدف عراق کے عتبات عالیہ ''(شیعہ حضرات کے اماکن مقدسہ کربلا، نجف اشرف ،مشہدِ امیر المؤمنین وغیرہ) کے بعد حرمین شریفین ہیں جو شخص امام غائب کے ظہور سے متعلق مذہب شیعہ کی روایات کو پیش نظر رکھ کر خمینی صاحب کی کتاب ''الحکومة الاسلامیة'' کا مطالعہ کرے گا، اسے اس میں شبہ نہیں رہے گا کہ حرمین شریفین پر قبضہ اور تسلّط ان کے منصوبوں میں سرفہرست ہے۔

خمینی صاحب اور ان کے انقلاب..... سے متعلق دل میں اس یقین کے پیدا ہوجانے کے بعد یہ عقدہ بھی حل ہوگیا کہ خود خمینی صاحب اور ایران کے دوسرے قائدین جو صبح وشام ساری دنیائے اسلام کو آپسی اختلافات یکسر بھلا کر متحد ہوجانے کی تلقین کرتے رہتے ہیں وہ پورے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کی اپیلوں اور کوششوں کے باوجود عراق سے جنگ بند کرنے پر کیوں آمادہ نہیں ہوتے؟

اِن سطور کا یہ راقم اور جناب مولانا محمد زکریا سنبھلی صاحب اِس سفر میں خادم کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھے ——— حرمین شریفین کے متعدد اکابر اہل علم ،اور اہم علمی شخصیات سے اس سفر میں ملاقاتیں ہوئیں، اپنے مدّعا پر مشتمل متوسط سائز کا مضمون حضرت والد ماجدؒ نے عربی میں مرتب کروالیا تھا، ہر ملاقات میں ابتدائی گفتگو کے بعد وہ مضمون راقم ہی پڑھ کر سناتا تھا اور درمیان میں، اور آخر میں حضرت والد ماجدؒ توضیحی گفتگو بھی فرماتے تھے، اور حتی المقدور یہ کوشش کرتے تھے کہ یہ حضرات خطرہ کی سنگینی کو کما حقہ محسوس کرلیں، لیکن اس پوری کاوش کا کیا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا؟ کیا ان حضرات نے اس مسئلہ کی سنگینی کو واقعۃً محسوس کیا؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے آپ اگر اس پورے سفرنامہ کو پڑھ جائیں جس کا حوالہ ابھی اوپر دیا گیا اور جس میں شروع میں بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا تھا کہ یہ سفر دراصل اسی مقصد سے ہوا تھا کہ:

''وہاں کے کچھ خواص اور ذمے دار حضرات سے اپنے مطالعہ کے یہ نتائج عرض کروں اور ان کی توجہ خطرہ کی سنگینی کی طرف اور اس سے مقابلے کے لئے کچھ عملی اقدامات کی طرف مبذول کراؤں''

لیکن بہت اہم بات یہ ہے کہ پورے سفرنامہ میں آگے چل کر کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کن کن لوگوں

سے ملاقاتیں ہوئیں، اوران کا کیا نتیجہ نکلا، بلکہ اِن ملاقاتوں کے بارے میں صرف یہ دوسطریں ہمیں اس پورے سفرنامے میں ملتی ہیں کہ:

(رابطۂ عالم اسلامی کا اجلاس مکمل ہوجانے کے بعد) ''تین دِن مزید مکہ مکرمہ میں قیام رہا، مجھے جن حضرات سے اس مسئلہ کے بارے میں گفتگو کرنی تھی جو اس سفر کا اصل محرک تھا، ان سے ان تین دنوں میں ملاقات اور گفتگو کا اچھا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے۔''

باقی پورے سفرنامے میں ایسا لگتا ہے کہ ان ملاقاتوں کے بارے میں ان کے پاس کوئی اچھی خبر اپنے قارئین کو سنانے کے لئے نہیں ہے، اس لئے انھوں نے اس موضوع کو چھیڑا ہی نہیں۔

ہم لوگ جو اس سفر میں ساتھ تھے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ حرمین شریفین بلکہ ملک کے متعدد اکابر اہل علم وفکر سے بہت تفصیلی ملاقاتیں ہوئی تھیں، اور ہماری یادداشت میں جتنی یادیں بھی ان ملاقاتوں کی آج بھی محفوظ ہیں، سچی بات یہ ہے کہ انہیں یاد کرکے آج بھی تکلیف ہوتی ہے ——— کیا عرض کریں؟ لوگوں کی عام طور سے شیعیت سے ناواقفیت کے علاوہ جو چیز صاف محسوس ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ یہاں کے علماء کی اکثریت ''آزادی رائے'' کی نعمت سے محروم ہے۔ بار بار یہ احساس بھی تازہ ہوتا تھا کہ جب یہاں کے اثرات دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان بیشمار اداروں، جماعتوں، تنظیموں اور افراد کے مزاج پر پڑ رہے ہیں جو کسی نہ کسی طرح اُس رزق سے فیضیاب ہورہے ہیں ''جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی'' تو آخر وہ لوگ جو براہِ راست اسی خوانِ نعمت کے پروردہ ہیں، اور ایک ایسے نظام کے تحت جی رہے ہیں جہاں حکومت کی پالیسی سے اختلاف کرنے والے کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی، آخر اُن سے کسی بہتر اور جرأت مندانہ رویّہ کی کیوں کر امید کی جاسکتی ہے؟؟؟ **فالی اللہ المشتکی**

اور صرف اِن حضرات ہی کا کیا رونا رویا جائے ——— خود برصغیر کے وہ حلقے جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ ایرانی انقلاب کی خالص اسلامیت کے مبلّغ اور اس کے قائد کی خالص تقیہ پر مبنی اسلامی اتحاد کی دعوت کے نقیب بنے ہوئے تھے، تمام حقیقتوں کے سامنے آجانے کے بعد بھی انھوں نے اپنی غلطی کے اعتراف اور موقف کی تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس کی ——— شاید اس سب کی وجہ یہ ہو کہ تکوینی طور پر امت کے لئے کوئی شدید ابتلاء مقدر ہو چکا تھا۔

آمدم برسر مطلب

راقم نے یہاں تک جو کچھ عرض کیا ہے اس کا تعلق ''ماضی'' سے تھا، اب عالم اسلام کے تازہ ترین

حالات کا تذکرہ مقصود ہے، تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ عراق پر جس شیعہ قبضے کا خطرہ اللہ کے کچھ بندے محسوس کررہے تھے، وہ امریکہ کی مدد سے ہو چکا ہے۔ اب عراق ایران کے زیر اثر ایک شیعہ ریاست ہے اور وہاں شیعہ تسلط کا حال یہ ہے کہ آج کل وہاں کے سنی نائب صدر جن کا تعلق کردوں کے علاقے کردستان سے ہے وہ خود اپنے ملک کے شیعہ وزیر اعظم کی زد سے بچنے کے لئے بغداد سے بھاگ کر اپنے علاقے میں کسی محفوظ مقام پر مقیم ہیں اور جب ملک کے نائب صدر کا یہ حال ہے تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عام سنیوں کا کیا حال ہوگا؟ ابھی چند ماہ قبل ترکی کے سفر کے دوران میری ملاقات وہاں ایسے کئی عراقی علماء سے ہوئی جو عراقی حکومت کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے ترکی میں پناہ تلاش کررہے ہیں۔ ——— اور جزیرۃ العرب، خلیجی ریاستوں اور حرمین شریفین پر شیعی حملوں کے جس خطرہ سے ''الفرقان'' کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے عوام وخواص کو آگاہ کرنے کی کوشش کی جارہی تھی، اور جس کو زیادہ تر حد سے بڑھی ہوئی حساسیت، اور مناظرانہ اور مولویانہ ذہن کا نتیجہ سمجھ کر سنجیدگی سے توجہ کا مستحق نہیں سمجھا جارہا تھا وہ خطرہ اب اس قدر واضح ہوگیا ہے اور اتنے قریب سے نظر آنے لگا ہے کہ وہ لوگ بھی اس کی تپش محسوس کرنے لگے ہیں جو ابھی کچھ دنوں تک اسے ''دیوانوں کی بڑ'' قرار دیتے تھے۔

اب تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ عالم اسلام اور بالخصوص عالم عربی میں مثبت تبدیلیوں کی جو لہر اٹھ رہی تھی، اور جس سے امیدوں کے چراغ دلوں میں روشن ہونے لگے تھے اس کا رخ موڑ کر مختلف ملکوں میں شیعہ سنی جنگ بھڑکائی جارہی ہے۔ اور صاف نظر آرہا ہے کہ حرمین شریفین چاروں طرف سے شیعہ یلغار کی زد میں ہیں ——— ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ کوئی ماننے کو تیار نہیں ہوتا تھا کہ شیعیت بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں کچھ غور وفکر کرنا چاہئے خصوصاً ان لوگوں کو جو ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفادات اور احیاء دین کے لئے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔..... اور اب حالت یہ ہے کہ عالم عربی میں تحریک اسلامی کے قائدین اپنے رسائل ومجلّات اور دیگر ذرائع ابلاغ میں صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ عالم اسلام ایک خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ صیہونی اور صلیبی طاقتوں نے اب شیعوں کو میدان میں اتار دیا ہے۔ اور ایک بھیانک شیعہ سنی جنگ کے بادل عالم اسلام پر منڈلا رہے ہیں ——— دوسری طرف صہیونی ذرائع ابلاغ اپنے عوام کو یہ خوش خبریاں سنا رہے ہیں کہ مسلم ممالک میں تبدیلیوں کی لہر سے تمہیں خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے اس لہر کا رخ موڑ دیا ہے اور ایسا نظام کردیا ہے کہ ہمارے مفادات کا تحفظ ہی نہیں

ہوگا بلکہ ہمارے منصوبوں کی دوسروں کے ذریعہ تکمیل ہوگی ——— تم صرف انتظار کرو اور تماشا دیکھو . . .

مثال کے طور پر اسرائیل سے شائع ہونے والے صہیونی روزنامے ''بدیعوت احرونوت'' ۲۲/ اپریل ۲۰۱۲ء کے ادارتی نوٹ میں لکھا گیا ہے:

''شام میں کوئی خانہ جنگی نہیں، ایک دینی جنگ ہے، تیرہ سو ۱۳۰۰ سال پرانا شیعہ سنی جھگڑا جو عثمانی خلافت کی کئی صدیوں تک دبا رہا، اب دوبارہ زندہ ہوگیا ہے۔ ایک فریق مشرق وسطیٰ کو شیعہ بنانا چاہتا ہے اور دوسرا ۸۵ فیصد اہل سنت کو ان کا فطری مقام دلوانا چاہتا ہے۔ .....اب ہمارے لئے یہ بات سمجھنا آسان ہے کہ اسرائیل کے ساتھ ۱۰۰ سال سے کم عرصہ میں محیط جھگڑا، ساتویں صدی عیسوی سے جاری شیعہ سنی جھگڑے کی نسبت کس قدر ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا اب ہمارے سامنے صرف شام کا کوئی اندرنی نزاع نہیں، جیسا کہ بعض اسرائیلی سمجھتے ہیں، بلکہ مشرق وسطیٰ کا ایک بڑا مذہبی تنازعہ ہے۔ اس تنازعے کا اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہی سب سے اچھی بات ہے۔''

ڈور گولڈ (Dore gold) ایک اعلیٰ سطحی اسرائلی پالیسی ساز رہنما ہیں جو سابق اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شارون اور بینجامین نتین یاہو کے مشیر رہے ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

''یہ بات بالکل واضح ہوچکی ہے کہ شرق اوسط میں تنازع کا مرکزی موضوع اب عرب اسرائیلی تنازعہ نہیں رہا؛ بلکہ مسلمانوں کے اندر ہی شیعہ سنی جنگ ہے۔ ملک شام میں جو آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے وہ دراصل اسی شیعہ سنی جنگ کی وجہ سے ہے۔ کئی سالوں سے لبنان میں جاری خانہ جنگی کے پیچھے بھی یہی جھگڑا رہا ہے، جس میں حزب اللہ کے ذریعہ شیعہ ہی فاتح رہے ہیں ——— بحرین کے حکمرانوں کے خلاف شیعوں کی بغاوت کے پیچھے بھی یہی مسئلہ ہے۔ یمن میں سنی حکمرانوں کے خلاف جو لوگ مسلسل جنگ کررہے ہیں وہ بھی دراصل یمن کے زیدی شیعہ ہی ہیں.....

اردن کے ایک اخبار الرأی کے ایک کالم نگار محمد خروب نے شرق اوسط کی اس پوری صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اس ماہ لکھا ہے کہ سنیوں اور شیعوں کے درمیان ایک بھرپور جنگ کے امکانات موجود ہیں.....''

قارئین کرام! اس شمارے میں صفحات کی گنجائش ختم ہوچکی ہے ——— اس ناچیز کو اس موضوع پر ابھی بہت کچھ اور عرض کرنا ہے، خصوصاً حرمین شریفین کے ذمہ داروں سے کچھ گلے شکوے بھی کرنے ہیں

اور برصغیر کے اکابر علماء کی خدمت میں بھی کچھ گذارشات پیش کرنی ہیں، اور شیعہ حضرات میں سے ایسے لوگوں کی خدمت میں بھی شاید کچھ گذارشات پیش کی جائیں جو امن اور معقولیت پسند ہیں، میں شخصی طور پر ان میں سے ایسے متعدد حضرات سے واقف ہوں اور ان کی متعدد خوبیوں کا دل سے قدردان اور معترف بھی ہوں ——— لیکن اگر زندگی رہی تو یہ سب انشاء اللہ آئندہ صحبت میں۔

سردست تو آپ سب سے گذارش ہے کہ جس قدر ہو سکے ہم سب کو عالم اسلام، حرمین شریفین اور پوری انسانی برادری کے لئے امن، تحفظ اور معقولیت پسندی کی توفیق کے لئے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ماہ مبارک میں جہاں اپنے لئے رحمت ومغفرت کی دعائیں مانگی جائیں وہیں زیادہ سے زیادہ اِن اجتماعی مقاصد کے لئے بھی دعاؤں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ورحمت پر پورے قلبی یقین کے ساتھ کیا جائے۔ امت مسلمہ اپنی تاریخ میں سخت سے سخت حالات سے گذری ہے ——— یقین رکھنا چاہئے کہ اس امتحان سے بھی وہ کامیاب گذرے گی ——— خوف اور مایوسی کی ہرگز ضرورت نہیں، ضرورت ہے بیداری کی اور توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کی!

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

☆☆☆

یہ بھی پڑھ لیجئے!

یاد رکھئے:

۱۔ آئندہ شمارہ (بابت ماہ اکتوبر) ان شاء اللہ ستمبر کے آخر میں شائع ہوگا ———

۲۔ اگر آپ الفرقان کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں تو اسے دوسرے بھائیوں، بہنوں کے لئے بھی پسند کیجئے ——— اپنی طرف سے کسی دوست کے نام رسالہ جاری کروایئے، اور دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرتے رہیئے۔

محفل (۱۱۸) سورۃ النساء (۲۳)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

منافقین اپنی اصلاح کرلیں تو اُن کا حشر اہلِ ایمان ہی میں ہوگا
ورنہ ان کی جگہ دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ ۫ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا ﴿۱۴۳﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۷﴾ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾

ترجمہ

منافقین اللہ سے دھوکہ بازی کرتے ہیں، جبکہ (واقعہ میں) اللہ انھیں دھوکے میں رکھ رہا ہے۔ اور یہ جب نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو الکسائے ہوئے اٹھتے ہیں، صرف دکھاوا کرتے ہیں لوگوں کے لئے، ورنہ اللہ کی یاد بس یوں ہی سی کرتے ہیں (۱۴۲) لٹکے ہوئے ہیں بیچ میں، نہ پورے اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے۔ اور (بات یہ ہے کہ) اللہ جس پر گمراہی (کا عذاب) ڈالدے اس کیلئے خلاصی کی کوئی راہ تم نہیں پاسکتے (۱۴۳) اے ایمان والو مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ کھلی حجت اللہ کے لئے اپنے اوپر قائم کردو (۱۴۴) منافق لوگ بے شک دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ اور تم کوئی مددگار ان کے لئے نہ پاؤ گے ۱۴۵) ہاں مگر وہ کہ جو توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو ٹھیک کریں اور اللہ سے مضبوط رشتہ جوڑیں اور دین اپنا اللہ کے لئے خالص کریں تو وہ (آخرت میں) مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور اللہ عنقریب مؤمنین کو اجرِ عظیم سے نوازے گا (۱۴۶) (سوچو کہ) اللہ کو کیا تمھارے عذاب سے لینا ہے، اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لاؤ! (۱۴۷) اللہ (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتا کہ بدگوئی پر زبان کھولے، ہاں مگر وہ شخص کہ جس پر ظلم ہوا ہو (اس کے لئے عذر ہے) اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے (۱۴۸) تم کوئی بھلائی کھلے عام کرو یا پوشیدہ رکھ کر کرو، یا درگزر کسی کی بدی سے کرو تو (یہ خوبی کی بات ہے) کہ اللہ بھی درگزر کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے (۱۴۹)

ربطِ کلام

سابق آیات میں منافقوں کے جو احوال درج ہوئے، جن کی رو سے یہ لوگ اہل ایمان اور ان کے پیشوا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گویا دھوکہ بازانہ چالیں چلتے تھے، بظاہر اسی سیاق میں یہاں فرمایا جارہا ہے کہ یہ تم سے نہیں دراصل اللہ سے چالبازی کرتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ اللہ انہیں چھوٹ دے کر ان پر چال

اُلٹ رہا ہے۔اس چال بازی اور مکاری میں یہ لوگ نماز جیسی ناگزیر علامتِ ایمان کی ادائیگی تو ضرور کرتے ہیں، کہ اس کے بغیر مسلمانوں میں شمار نہیں رہ سکتا۔ مگر اس کے لئے اُٹھتے ہیں کسل بھرے (''کُسالیٰ'') یعنی من من بھر کے قدموں سے۔ اور مقصد ہوتا ہے لوگوں کو دکھلانا (یُرآءُونَ النّاس) ورنہ نماز کا مقصد اصلی جو ذکرُ اللہ (اللہ کی یاد) ہے اس میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں، بس نام لکھانے بھر کو کر لیتے ہیں (وَلَا یَذْکُرُونَ اللہَ اِلّا قَلیلاً)۔ اور (فرمایا) جڑ اس سب کی یہ ہے کہ انھیں یکسوئی حاصل نہیں، تذَبذُب اور تردُّد کا حال ہر وقت رہتا ہے۔ مذَبذَبِینَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلیٰ ھٰؤلآءِ ولآ اِلیٰ ھٰؤلآءِ) نہ پورے کافر رہنا چاہتے ہیں نہ پورے مسلمان، بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ۔) تاکہ جب ضرورت معلوم ہو ایک قدم بڑھا کر اِدھر یا ایک قدم بڑھا کر اُدھر ہو جانا آسان ہو۔ اور یہ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے جس کے سبب راہِ ہدایت ان پہ بند ہوگئی (وَمَنْ یُّضْلِلِ اللہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سبیلاً) پس اسی حال میں جینا اور مرنا ہے۔

منافقین کے وجود کے سب سے خطرناک پہلو پر مسلمانوں کو تنبیہ

منافقین کے وجود سے جن مسائل کا سامنا مسلم معاشرے کو تھا اور جن کی وجہ سے ان کا بار بار ذکر مختلف پیرایوں میں آ رہا ہے، ان میں سب سے اہم، ان کے رویّوں اور ان کی روش کے اثرات ذرا کمزور قسم کے سچے مسلمانوں پر پڑ سکنے کا مسئلہ تھا، اس لئے کہ شمار اِن منافقوں کا بھی مسلمانوں ہی میں رہتا تھا۔ یہ مسلمانوں ہی کی حیثیت سے مسجد میں آتے، مجلسِ نبوی میں بیٹھتے تھے۔ پھر ان میں سے کوئی کسی مخلص کا باپ تھا، کسی کا بیٹا تھا یا کسی کا بھائی۔ خود رئیس المنافقین ابنِ اُبیّ کا بیٹا مخلصین میں تھا (رضی اللہ عنہ)۔ پس بار بار سچے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے یہ تلقین دہرائی جاتی رہتی ہے کہ کافروں سے (جن سے مراد بالعموم یہودِ مدینہ ہوتے ہیں) دوستیاں نہ لگاؤ جیسا کہ منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ تنبیہ یہاں بھی منافقین کے تذکرے کے ماتحت فوراً آ گئی ہے فرمایا: یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنوا لا تَتَّخِذُوا ۔۔۔۔ اے ایمان والو مؤمنین کو چھوڑ کافروں سے دوستی نہ باندھو۔ اور یہ کہ ایسا اگر کوئی کرتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ وہ اللہ کو اپنے خلاف کھلی حجت منافقین میں شمار کئے جانے کی فراہم کر رہا ہے، جو قیامت میں اس کے خلاف قائم کی جائے گی، فرمایا: اَتُرِیدونَ اَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰہِ علیکُم سُلطاناً مُّبیناً؟) دلیل اور حجت کے لئے سُلطان کی تعبیر کچھ پہلے بھی گزر چکی ہے، اور مناسبت یہ ہے کہ اس لفظ کے کے اصل معنی قوت اور غلبے کے ہیں اور یہی شان حجت اور دلیل کی بھی ہے کہ وہ مغلوب کر لینے اور ہرا دینے کی شان رکھتی ہے۔

سچے مسلمان، اور وہ بھی دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسلمان، ان کے لئے یہ ''سلطانِ مبین'' کی تنبیہ کچھ کم نہ تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کے فتنوں کا کوئی بہت غیر معمولی وقت تھا، کہ اس تنبیہ میں مزید شدت لاتے ہوئے اہلِ نفاق کے اخروی انجام کی یاددہانی بھی ایسے شدید الفاظ میں کی جارہی ہے جو قرآن میں کسی دوسری جگہ نہیں ملتے: اِنّ المنافقینَ فی الدرکِ الاسفَلِ مِن النّار ۔۔۔ یہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ڈالے جائیں گے اور کوئی مددگار انھیں نہ مل پائے گا، ہاں وہ افراد جو توبہ کریں (یعنی اللہ کی طرف کو لَوٹیں) اور اپنا حال درست کر لیں اور وہ یہ کہ مضبوط رشتہ اللہ سے باندھیں۔ اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کریں، ریاکاری کے لئے دینی اعمال انجام نہ دیں۔ یہ شرائط جو لوگ پورے کریں تو پھر وہ آخرت میں جہنمیوں کے نہیں مؤمنین کے ساتھ ہوں گے۔ اور مؤمنین کو تو اللہ اجرِ عظیم سے نوازے گا۔

منافقین کو براہِ راست خطاب اور دعوتِ ایمان

یہ سب کچھ فرمایا تو جارہا تھا مخلص مسلمانوں کو مخاطب کر کے، لیکن مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے منافقین کے کانوں میں بھی یہ سب پڑنا تھا، پس یہ فرمانے کے بعد کہ توبہ اور اصلاحِ حال کی راہ اختیار کر کے یہ لوگ اُس شدید عذاب سے بچ سکتے ہیں جو ان کی موجودہ حالت پر ان کے لئے طے شدہ ہے، اگلے جملے میں ان کو براہِ راست مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ما یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعذابِکُم اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔۔۔ (اللہ کو کیا تمھارے عذاب سے (اے منافقو) لینا ہے، اگر تم شکرگزاری کی راہ چلو اور مؤمن بنو؟) کیا دلآویز آیت ہے! فرمایا گیا: ''اللہ کی ذاتِ عالی اس سے بالاتر ہے کہ اپنے بندوں کو بے وجہ عذاب میں ڈالے۔'' اسے اپنی قدرت یا عظمت کے اظہار کے لئے اس طرح کی کسی بات کی ضرورت نہیں۔ وہ تو غنیٌ عَنِ العالمین ہے۔ پس عذاب اگر بندوں کے حصے میں آتا ہے تو وہ ان کے اعمال ہوتے ہیں جو آخرت میں عذاب کی شکل میں سامنے آنے ہیں۔

یہ حقیقت قرآن میں بار بار اس طرح کے الفاظ میں دُھرائی گئی ہے: ذٰلِکَ بِما قَدَّمَتْ اَیْدِیکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلّامٍ لِّلْعَبِید (یہ (سزا و عذاب) وہ شئ ہے جو خود تم نے آگے بھیجی ہوتی ہے، ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ آلِ عمران۔ ۱۸۲) پس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس بدانجامی سے

بچنا ہو تو اس کی راہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کی نعمتوں کے کفران سے باز آ کر شکر گزاری کی راہ لو۔ اور شکر گزاری کی راہ کا اوّلین قدم ایمان اور ایمانی زندگی ہے۔ تم یہ قدم اُٹھاؤ تو اللہ تو اپنی ذات سے بندہ نواز و ذرہ نواز ہے، اور اُس علم کا مالک جس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ (وکانَ اللہُ شاکِراً علیماً)

اللہ کے ''شاکر'' ہونے کا مطلب

شکر، جس کی نسبت آیت میں بندوں کی طرف بھی ہے اور خود پروردگار کی طرف بھی، اس کا اصل مفہوم تو کسی کے احسان وانعام کو ماننا اور ماننے کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ اور اس مفہوم میں یہ بندوں ہی کی صفت میں آ سکتا ہے۔ لیکن جیسے توبہ اپنے اصل مفہوم (لَوٹ آنے پلٹ آنے) میں بندوں کا فعل ہے، مگر یہی لفظ اللہ جلّ جلالہٗ کی شان میں آتا ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے بندے کے اس فعل کو قبولیت عطا فرمائی۔ ایسے ہی شکر کی نسبت جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے بندے کی شکر گزاری کی قدر فرمانا اور اس پر اجر عطا فرمانا۔ اور اسی معنیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام شکور ہے۔ بلکہ غور کیا جائے تو بندوں کا شکر بھی دراصل اللہ کے احسانات کی قدر پہچاننے ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ناشکرا اللہ کا ہو یا بندوں کا، وہی ہوگا جو احسانات کی قدر نہ جانے۔

قرآنِ مجید کی یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو کسی کے لئے بھی اس بارے میں شک نہیں چھوڑتیں کہ اللہ، جسے قرآن نے الرحمٰنِ الرّحیم کے وصف سے متعارف کرایا اس کی اصل شان واقعی رحم وکرم ہی ہے۔ چنانچہ وہ جو جہنم کے سب سے نچلے طبقے کے مستحق ہو چکے تھے وہ بھی اگر اپنی اصلاح کر لیں اور طلبگارِ مغفرت ہوں تو ان کے لئے بھی آغوشِ رحمت پوری طرح کھلی ہوئی ہے، ذرا تنگی اس میں نہیں۔ الغرض بڑے سے بڑا مُنکر و باغی فرد اور گروہ جس وقت بھی پلٹ آئے درِ رحمت اس کو کھلا ملے گا۔ رہا عذاب، وہ صرف ان بدبختوں کے لئے ہے جو اپنی انا کے اسیر رہتے ہیں اور اس انانیت کے مادے سے اپنا عذاب تیار کرتے ہیں۔ اسی کو الاعراف (۶/۱۵۶) میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: عَذابی اُصیبُ بِہٖ مَنْ اَشآءُ وَرَحمَتی وَسِعَتْ کُلَّ شَیءٍ'' (میری رحمت کا قانون تو عام ہے اور تمام خلقت پر سایہ فگن، رہا میرا عذاب تو وہ صرف اسی کے حصے میں آتا ہے جسے خاص طور پر میں چاہوں۔)

مسلم معاشرے کے لئے ایک بڑی قیمتی ہدایت

منافقین سے متعلق کلام اس آیت پر ختم ہوتا ہے۔ آگے اہلِ کتاب، بالخصوص یہود، سے متعلق گفتگو شروع ہوتی ہے۔ درمیان میں دو آیتیں، جو اوپر لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ سے شروع ہوکر عَفُوًّا قَدِیْرًا پر ختم ہوئی ہیں، ان کا بجائے خود مفہوم تو بالکل صاف اور واضح ہے، مگر ربط کے پہلو سے دیکھا جاتا ہے تو نہ ماقبل کے ساتھ واضح ہے نہ مابعد کے ساتھ۔ اور جتنی بھی توجیہی کوششیں کتبِ تفسیر میں یہاں ربط کے لئے ملتی ہیں، قرآن کے الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ان میں کوئی بھی تکلف سے خالی اور بے غبار نہیں نظر آتی۔ اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ربط کے مسئلے کو یہاں علمِ الٰہی کے سپرد کرکے آیتوں کے بجائے خود مفہوم پر اکتفا کی جائے، بلاشبہ اس میں بڑی ہی قیمتی ہدایت معاشرے کے لئے پائی جاتی ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ کسی کا کوئی عیب یا برائی معلوم ہو تو اسے شہرت ہرگز نہ دی جانی چاہئے۔ ہاں یہ برائی اگر کسی کے ساتھ ظلم کے معنیٰ میں ہے تو مظلوم کو حق ہے کہ وہ ظالم کے خلاف زبان کھولے۔ اور یہ استثناء اس لئے حق ہے کہ کوئی شخص کسی کے ظلم کا تختۂ مشق تب ہی بنتا ہے جب اس میں اپنے بل پر مدافعت کی قوت نہ ہو۔ ایسے میں مدافعت کی قوت خارج سے حاصل کرنے کے لئے اسے زبان کھولے بغیر چارہ نہیں۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تب، معاشرے کے بااثر لوگوں کی حمایت چاہے تب، بہرصورت زبان کھولنا ہوگی۔ پس فرمایا کہ اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کسی کے عیب یا برائی کو شہرت دی جائے، اسے مخلوق میں بیان کیا جائے۔ ہاں کسی کی برائی اگر تم پر ظلم کی، حق مارنے کی صورت رکھتی ہو تو پھر ممانعت نہیں۔ اور یہ اجازت دیتے ہوئے اس کی یاد دہانی بھی کرائی جارہی ہے کہ اللہ سمیع وعلیم ہے۔ یعنی زبان کسی کے خلاف کھولو تو یہ سمجھ کر کھولو کہ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والی ہستی ہے۔ پس اجازت کے معقول حدود کے اندر رہنا لازم ہے۔ حد سے گزرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آلِ عمران میں مسلمانوں پر اللہ کے اس خاص احسان کا غیر معمولی اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے کہ ''تم لوگ باہم عداوتوں میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ اللہ تھا جس نے تمہاری کایا پلٹ کر باہمی اُخوت کا نمونہ تمھیں بنا دیا'' (آیت ۱۰۳) اسی معاشرتی اخوت کے تحفظ کے سلسلے کی یہ تنبیہ وہدایت ہے جو سورۂ نساء کی اس آیت میں ہم پا رہے ہیں۔ فرد کے حق کا تحفظ بھی اس میں ہے اور ساتھ ساتھ معاشرے کی مجموعی مصلحت کی رعایت بھی۔ اب جو بندہ اس قرآنی ہدایت وتنبیہ کی پیروی میں معاشرے کی مجموعی مصلحت رکھنے کا ثبوت دیتا ہے وہ ایک نیکی کماتا ہے۔ بندے کی نیکی کے اِس قدم کو ایک درجہ اور آگے جانے کی طرف رہنمائی دیتے

ہوئے مزید فرمایا گیا ہے: اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا"۔ تم نیکی علانیہ کرو تو جائز، پوشیدہ رکھو تو بہت خوب، اور یہ نیکی اگر کسی برائی اور بدمعاملگی سے درگزر کرنے کے قبیل سے ہے، تو یہ تمہارا وہ کام ہے جو اللہ کی شانِ عالی کا ہم رنگ ٹھہرتا ہے، کہ وہ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے پھر بھی عفو و درگزر اس کی شان ہے۔ علانیہ نیکی اور پوشیدہ نیکی کی جو بات یہاں فرمائی جارہی ہے وہ وہی ہے جو سورہ البقرہ (آیت ۲۷۱) میں بایں الفاظ گزری: اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ (تم صدقہ وخیرات کو ظاہر کرو تو یہ بھی ٹھیک ہے اور پوشیدگی سے فقراء کو دو تو یہ اور اچھا)

اللّٰھُمَّ وَفِّقۡنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرۡضٰی وَاجۡعَلۡ اٰخِرَتَنَا خَیۡرًا مِّنَ الۡاُوۡلٰی!

☆☆☆

زافادات: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

استقبال رمضان
روزہ کی حکمت اور فضائل وآداب

[حضرت والد ماجد نوّر اللہ مرقدہ کی مختلف تصانیف سے یہ مضمون ناچیز مدیر الفرقان نے مرتب کیا ہے۔]

روزہ کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہیے کہ ملکوتیت اور بہیمیت کا نسخۂ جامعہ بنایا ہے، اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو ملأ اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی خاص دولت ہے، انسان کی سعات کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بہیمی اور حیوانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ بہیمی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہوجائے اور اس کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرسکے —— روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد وموضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور ایمانی اور روحانی تقاضوں کی تابعداری اور فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے، اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے، اس لیے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم رہا ہے، قرآن مجید میں اس امت کو روزہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِینَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ

تَتَّقُون ''(البقرہ، ع ۲۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تا کہ تم میں تقوی پیدا ہو۔

بہر حال روزہ چونکہ انسان کی قوت بہیمی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر چہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا — اس آخری امت کے لئے، جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے، سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں، اور روزے کا وقت طلوعِ سحر سے غروب آفتاب تک رکھا گیا ہے۔ اور بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت مذکورہ بالا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا مثلاً روزہ میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کردی جاتی اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزہ رکھنے کا حکم ہوتا تو انسانوں کی اکثریت کے لئے نا قابل برداشت اور صحتوں کے لئے مضر ہوتا — بہر حال طلوع سحر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینہ کی مدت اس دور کے عام انسانوں کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوسکتا ہے — پھر اس مہینہ میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا جو تراویح کی شکل میں امت میں رائج ہے، دن کے روزوں کے ساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینہ کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہوجاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادراک اور احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

ماہ رمضان کی عظمت

''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ''اس مبارک مہینہ کی سب سے بڑی اور اصولی

فضیلت تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ اس میں اللہ کا مقدس کلام اور آخری پیغام نازل ہوا، جس نے ہمیشہ کے لئے نجات کی راہ اور حق کے راستہ کو روشن کر دیا اور جس کے ذریعہ لوگوں پر سعادت کے دروازے کھول دئے گئے ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ''۔

فی الحقیقت جس موسم اور جس مہینہ میں اللہ کا اتنا بڑا لطف وکرم اپنے بندوں پر ہوا ہو اس سے زیادہ معظم اور محترم مہینہ اور ہو بھی کون سکتا ہے؟ کسی عاشق مزاج سے پوچھئے کہ بتلاؤ کون دن اور کون زمانہ سب سے بہتر ہے؟ وہ اگر جذباتِ عشق کا سچا سرمایہ دار ہوگا تو یہی کہے گا کہ جس دن اور جس زمانے میں محبوب کی نظر کرم میری طرف متوجہ ہوا اور وہ مجھے مثلاً اپنی دید یا ہم کلامی کا شرف بخشے یا مقام قرب ہی سے نوازے

خوشا وقتے وخرم روز گارے — کہ یارے برخورداز وصل یارے

بہرحال رمضان مبارک کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ خدا کی رحمت کی آخری اور مکمل قسط، نجات وفلاح کا دستور اور حیات ابدی کا قانون بن کر قرآن کی شکل میں اسی مبارک مہینہ میں نازل کی گئی یعنی اس ماہِ مبارک میں اس کا نزول شروع ہوا۔[1] اب احادیث میں اس مہینہ کی جو اور برکتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب درحقیقت اسی بنیاد پر مبنی ہیں یعنی ان برکتوں اور فضیلتوں کے ساتھ اس مہینہ کو اسی واسطے خاص کیا گیا ہے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے اور چونکہ قرآن کا نزول براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا، اور آپ ہی اس نعمت الٰہی کی پوری طرح قدر پہچاننے والے ہیں، اس لئے رمضان کی رحمتوں اور برکتوں کا احساس بھی آپ کو بے حد وحساب ہوتا تھا، جس کا کچھ اندازہ آپ کے اس ارشاد سے کیا جا سکتا ہے کہ ''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے''۔

(ترغیب وترہیب بحوالہ ابن خزیمہ وبیہقی وابوالشیخ)

اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان مبارک کے فضائل اور اس کی خصوصیات کے بیان کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ذیل میں اسی سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمومی بیان

حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت سے حدیث کی متعدد کتابوں میں منقول ہے کہ شعبان کی آخری

[1] کما رواہ البیھقی واختارہ، ابن اسحاق، راجع فتح الباری

تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے عمومی طور پر ایک تقریر فرمائی، جس میں آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینہ کے روزے اللہ تعالی نے فرض کئے اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانوں کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانوں کے ۷۰ فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندہ کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگی اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے —— آپ سے عرض کیا گیا کہ: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالی یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالی میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا —— (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینہ میں اپنے غلام اور خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کردے گا اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا ——

(شعب الایمان للبیھقی)

—— اس خطبۂ نبوی کا مطلب ومدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے: ——

(۱) اس خطبہ میں ماہ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت وفضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں یا راتوں سے نہیں بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یہ بات جیسا کہ

معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورت میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت واہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں تقریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب ورضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قرب الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہوسکتی، ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جاسکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سیکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی، اسی طرح حصول رضائے خداوندی اور قرب الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کردی جاتی ہے جو بات صادق طالبوں کو سیکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہوسکتی وہ اس مبارک رات میں حاصل ہوجاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانے کی فرض نیکی کے برابر ملے گا، اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانے کے ۷۰ فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا —— گویا ''لیلۃ القدر'' کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ۷۰ گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں: ''اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا''۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول وآخر بالکل یہی ہے۔ اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو یہ تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اس کے اندر ان غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غم خواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بے چارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پر فاقے کرتے ہیں، اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غم خواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: —— اس بابرکت مہینے میں اہل ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے —— اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور

جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا، خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ:——— رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے''۔

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح وتقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ اور استغفار سے اس کی صفائی وتلافی کر لیتے ہیں تو ان بندوں پر تو شروع مہینے ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گذرے بھی نہیں ہیں تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصہ میں روزہ اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ واستغفار کے ذریعہ سے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت ومغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں تو درمیانی حصہ میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔——— اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی رہائی اور نجات کا فیصلہ فرما دیتے ہیں ——— اس تشریح کی بنا پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصہ کی رحمت درمیانی حصے کی مغفرت اور آخری حصہ میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب امت مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم

> حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دئے جاتے ہیں ——— (اور ایک روایت میں بجائے ''ابواب جنت'' کے ''ابواب رحمت'' کا لفظ ہے۔) صحیح بخاری وصحیح مسلم) ———

——— استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

''اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعت وحسنات میں مشغول ومنہمک ہوجاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر وتلاوت میں گذار دیتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح وتہجد اور دعا واستغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار وبرکات سے متأثر ہوکر عوام مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کے اس عام فضا کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر وخباثت سے متنفر ہوجاتی ہے اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بنسبت بہت زیادہ بڑھادی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کردئے جاتے ہیں اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہوجاتے ہیں''۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنت ورحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہوجانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کردئے جانے) کا تعلق صرف ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر وسعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات وطاعات کو اپنا شغل بنالیتے ہیں ——— باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ، جو رمضان اور اس کے احکام وبرکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، انھوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کرلیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن تھے تو پھر اللہ کے یہاں بھی ان کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

روزہ کی قیمت اور اس کی تاثیر

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (روزہ کی فضیلت اور قدر وقیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق عام قانون الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے والے کے خاص حالات، اخلاص اور خشیت وغیرہ

کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اس عام قانون رحمت کا ذکر کرکے فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثواب دوں گا، میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا)۔ روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسرے اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حضور اور شرف باریابی کے وقت۔ اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے یہاں روزہ دار کے منہ کی بدبو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ دنیا میں شیطان ونفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لئے ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور وشغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوج یا جھگڑا ٹنٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

——— حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزا کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ: جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور وشغب بالکل نہ کرے اور اگر کوئی بالفرض اس سے الجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کرے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ بھائی میرا روزہ ہے ——— اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ ان ہی روزوں کی ہے جن میں شہوت نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتی کہ بری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہو ——— ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) فرمایا گیا ہے کہ جو شخص روزہ رکھے لیکن برے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو ''باب الریان'' کہا جاتا ہے، اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے (اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے) وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا، جب وہ روزے دار

اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

——— روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے گا اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئے، اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" یہ بھرپور سیرابی تو اس دروزے کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالی کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اس اللہ تعالی ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ: ——— **الصومُ لی و أنا أجزِی بہ** ——— بندے کا روزہ بس میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمایئے جس سے اللہ تعالی مجھے نفع دے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ رکھا کر و اس کے مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے ——— (سنن نسائی)

نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں، گویا: ع ——— ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" ——— مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا عمل روزے کے مثل نہیں ہے ——— پس حضرت ابوامامہ کی اس حدیث میں روزے کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہئے کہ ابوامامہ کے خاص حالات میں ان کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی ——— اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابوامامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمایئے جس کو میں کیا کروں" تو دونوں دفعہ آپ نے روزے ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: "بس روزہ رکھا کرو اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم

ایمان واحتساب

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جولوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گذشتہ گناہ معاف کردے جائیں گے اور ایسے ہی جولوگ ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح وتہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔ اور اسی طرح جولوگ شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔ —— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

—— اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے، بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں —— یہ ''ایمان واحتساب'' خاص دینی اصطلاحیں ہیں اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اس کا محرک بس اللہ ورسول کو ماننا اور ان کے وعدہ ووعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجروثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان واحتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان واحتساب ہمارے اعمال کے قلب وروح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں، جو خدانہ خواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے۔ اور ایمان واحتساب کے ساتھ بندے کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقے اور طفیل میں اس کے برسہابرس کے گناہ معاف ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان واحتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

—— افسوس اس چیز کی طرف سے آج کل بڑی غفلت ہے حالانکہ یہ سارے دین کا گویا مغز ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں، تمہارے جسموں اور تمہارے ظاہری عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے قصد اور اس کی رضاجوئی کی نیت اور ثواب اخروی کی طلب وطمع کے بغیر ہر عمل کھوکھلا اور بے جان ہے۔

معصیتوں اور لغو کاموں سے پرہیز

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کسی کا روزہ ہو تو فحش

اور بے ہودہ باتیں بالکل نہ کرے اور شور وشغب کا بھی مرتکب نہ ہو اور اگر کوئی دوسرا اس کو گالیاں بھی دے یا جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ (صحیح بخاری ومسلم)

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ سے ہی اس بارے میں دوسری حدیث یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روزہ فقط کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں ہے، بلکہ بیہودہ کاموں اور بری باتوں سے بھی رکا جائے تو حقیقی روزہ ہے، پس اگر کوئی تم سے روزہ کی حالت میں گالی گلوچ کرے یا بدتمیزی سے پیش آئے تو اس سے کہدو کہ میں روزے سے ہوں۔ (ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)

حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ روزہ ڈھال ہے جب تک کہ آدمی اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

—— بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ روزہ جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے پھٹ جاتا ہے یعنی اس میں ایسا خلل اور رخنہ آجاتا ہے کہ پھر ''ڈھال'' ہونے کی صفت اس میں باقی نہیں رہتی۔

افسوس! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی طرف بہت ہی کم لوگوں کی توجہ ہے، وہ روزے رکھتے ہیں مگر جھوٹ، غیبت اور دوسرے برے کاموں سے روزہ میں بھی احتیاط نہیں کرتے بلکہ بہت سے تو لغو اور بیہودہ باتوں اور شیطانی تفریحوں اور تماشوں میں اپنا روزہ کاٹتے ہیں —— حالانکہ یہ چیزیں اللہ کی طرف سے دائما اور ہر زمانے میں حرام اور گناہ قرار دی گئی ہیں، اور رمضان کے مقدس ومحترم مہینے اور روزہ کی مبارک ساعتوں میں ان کی حرمت ومعصیت اور بھی زیادہ شدید ہوجاتی ہے، بالخصوص غیبت سے تو روزہ دار کو بہت ہی زیادہ بچنا چاہئے، قرآن مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کا مردار گوشت کھانا کہا گیا ہے۔ تو جو لوگ روزہ رکھتے ہیں مگر غیبت سے پرہیز نہیں کرتے گویا وہ اپنی روزمرہ کی غذا اور پانی تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن کسی بھائی کا مردار گوشت چبا چبا کر کھاتے اور نگلتے ہیں، اس سے ان کے روزے پر جیسا کچھ اثر پڑتا ہوگا وہ ظاہر ہے۔

معصیتوں اور لغو کاموں سے پرہیز کی ایک تدبیر

یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا بھی انشاء اللہ مفید ہوگا کہ ''خانۂ خالی را دیو می گیرد'' کے مصداق رمضان کے اوقات اگر ذکر وعبادت اور رمضان سے مناسبت رکھنے والے اعمال خیر میں مشغول نہیں ہوں گے تو لغو کاموں اور معصیتوں سے بچنا بہت مشکل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں رمضان مبارک میں چار کاموں کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے جس میں غالبا یہ مصلحت بھی مقصود ہے کہ ان کی برکت

سے لغو کاموں سے بچنا آسان ہوجائے گا، وہ چار کام یہ ہیں:

(۱) کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کی کثرت

(۲) اپنے لئے اللہ سے استغفار کی کثرت

(۳) جنت کی دعا

(۴) دوزخ سے نجات کی دعا

قیام رمضان یا تراویح

رمضان میں دن کے فرض روزوں کے علاوہ دوسری شبینہ عبادت ''قیام لیل'' (گویا تراویح) کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اس کو اگرچہ فرض نہیں کیا گیا ہے مگر ایک اعلیٰ درجہ کی اور بڑی برکت والی عبادت ہے، جن دلوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت اور اس کے ساتھ تعلق عبدیت کا کچھ حصہ ملا ہے وہی اس لذت اور سرمستی ومحویت کو کچھ جان سکتے ہیں جو سارا دن بھوک پیاس کے مجاہدے میں کاٹنے کے بعد دربار خداوندی کی اس حضوری میں ان کو حاصل ہوتی ہے

خوشا وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخوردازوصل یارے

گویا دن کا روزہ عاشقانہ جذب وخودفراموشی کا ایک مظاہرہ اور طالب صادق کا مجاہدہ تھا کہ کھانا پینا بھی بھلا دیا گیا تھا اور رات کی یہ طویل قیام وقراءت والی نماز اس عارفانہ سکون اور عابدانہ عجز ونیاز کی صورت ہے جو اس مجاہدے کے بعد حاصل ہونا ہی چاہئے، اس نماز کی فضیلت میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجئے:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کی راتوں کی نماز کی خاص طور سے ترغیب دیا کرتے تھے مگر سختی کے ساتھ حکم نہیں فرماتے تھے اور ترغیب کے سلسلہ میں آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھے اس کے پہلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

شب قدر

رمضان مبارک کے متعلق حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مفصل خطبہ شروع میں نقل ہو چکا ہے اس میں گذر چکا ہے کہ ''اس رمضان کے مہینے میں شب قدر ہوتی ہے اور شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔

شب قدر کی عظمت اور اہمیت کا ذکر قرآن مجید میں بلکہ اس کی ایک پوری سورت میں بھی کیا گیا ہے اور اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا اس کی عظمتیں ہمارے بیان بلکہ ہمارے فہم وادراک کی حدود سے بھی باہر ہے یہ بیان فرمانے کے بعد کہ قرآن کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ''إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ'' ارشاد فرمایا گیا ہے ''وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ'' (تمہیں کیا پتہ ہے لیلۃ القدر کیا ہے) پھر فرمایا گیا ہے ''لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ'' (شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے)۔

پھر اس کی برکات اور اس کی روحانی رونقوں کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے ''تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ'' (فرشتے اور روح (روح القدس حضرت جبرئیلؑ) اس رات میں اپنے مالک کے حکم سے تمام فیصلے لے کر اترتے ہیں، سراسر سلامتی کی رات ہے طلوع صبح صادق تک (برکتوں اور روحانی رونقوں کا یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔) قرآن مجید کی اس سورت سے لیلۃ القدر کے متعلق چار باتیں صراحۃ معلوم ہوئیں۔ قرآن اس رات میں نازل ہوا یعنی نازل ہونا شروع ہوا۔ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس کی عبادت اکا جروثواب ہزار مہینے کی عبادت کی اجروثواب سے بھی زیادہ ہے (او ما ھو مرادہ تعالی)

اس میں ملائکہ کا بکثرت نزول ہوتا ہے۔ یہ سلامتی کی رات ہے اور اس رات میں یہ ساری برکتیں اور رحمتیں صبح صادق تک رہتی ہیں۔ اللہ تعالی نے نزول قرآن کے لئے مہینوں میں جس طرح رمضان کو منتخب کیا جو سب مہینوں سے اعلی واشرف اور سب سے زیادہ رحمتوں اور برکتوں والا ہے اسی طرح اس نے اس کے نزول کے واسطے راتوں میں سے شب قدر کا انتخاب کیا جو سال کی ساری راتوں میں افضل بلکہ بنص قرآنی ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ لیلۃ القدر کی فضیلت واہمیت کے بارے میں قرآن مجید کے اس بیان کے علاوہ احادیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند چیزیں مروی ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ کھڑا ہو (یعنی اس رات میں نوافل پڑھے) تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں بھی قیام لیلۃ القدر کے موجب مغفرت ہونے کو ایمان واحتساب کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اعمال کی فضیلتوں میں یہ شرط عام ہے ہر عمل میں فضیلت اور روحانیت ایمان واحتساب ہی سے آتی ہے۔ بلکہ یہ وہ اکسیر کی چٹکی ہے کہ مباحات کو طاعات اور عادات کو

عبادت بنادیتی ہے۔

تنبیہ:

جب احادیث میں کسی عمل خیر کی یہ برکت اور تاثیر بتلائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے پہلے یا بعد کے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں ان کے بارے میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ اس سے مراد صرف صغیرہ گناہ ہوتے ہیں باقی کبیرہ گناہوں کے متعلق قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور علمائے حق کا اس پر اتفاق بھی ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ رہا یہ سوال کہ پھر ان احادیث میں صراحۃ صغیرہ کی قید کیوں نہیں ذکر کی گئی؟۔ علماء نے اس کے چند جوابات دئے ہیں جن میں اس عاجز کے دل کو سب سے زیادہ لگنے والا یہ ہے کہ عہد نبوی میں ایسے ''مسلمان'' کا تصور ہی نہیں تھا جو کبیرہ گناہ کرے اور پھر تائب بھی نہ ہو —— کبائر کو بے فکری سے بطور عادت کے اختیار کرلینا اور فجور پر مطمئن اور مگن رہنا ''منافق'' کا مقام ہے، اگرچہ آج کل مسلمان کہلانے والوں میں ایسے بدکاروں کی کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہوگئی ہو —— مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس سے گناہ کبیرہ کبھی سرزد نہ ہو اور اگر کبھی شیطان اس سے ایسی حرکت کرادے تو فوراً ندامت اور توبہ سے اس کے اثر کو دھوڈالے۔

(۲) حضرت انسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب قدر میں حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور اللہ کے جو بندے کھڑے یا بیٹھے عبادت وذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں ان کے واسطے یہ سب فرشتے خیر ورحمت کی دعا کرتے ہیں، (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

(۳) امام مالک اپنی موطا میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی امتوں کے لوگوں کی عمریں دکھلائی گئیں تو شاید آپ کو اپنی امت کی عمروں کو بہ نسبت ان کے کم دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ میری امت کے لوگ عمل کے اس درجہ تک نہ پہنچ سکیں گے جس پر اگلی امتوں کے یہ لوگ پہنچے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شب قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر وافضل ہے (اور جس میں عبادت کرنے کا ثواب برسہا برس کی عبادت کے اجر وثواب کے برابر ہے)

شب قدر کب ہوتی ہے؟

لیلۃ القدر کی تعیین کے بارے میں مختلف احادیث اور اقوال علماء کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ حتمی طور پر اس کے لئے کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے، ہاں عموماً یہ رات رمضان کے عشرۂ

اخیرہ کی راتوں میں اور علی الاغلب اس کی طاق راتوں میں ہوتی ہے پس چاہئے کہ اس کی طمع وامید میں رمضان کی ہر رات میں بالخصوص اس کے عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں اور خاص کر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں عبادت اور دعا کا ضرور اہتمام کیا جائے —— جیسا کہ معلوم ہو چکا قرآن مجید میں بھی اس ایک رات کو ہزار مہینوں سے بہتر بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ اس کی عبادت کا درجہ اللہ کے یہاں ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے اور ہزار مہینوں کو اگر جوڑا جائے تو ۸۳ برس ۴ مہینہ کا زمانہ ہوتا ہے گویا جس کو اس رات میں عبادت کرنا نصیب ہو جائے تو علاوہ دوسری خاص رحمتوں اور برکتوں کے ۸۳ برس ۴ مہینے کی عبادت کے اجر کا مستحق ہوتا ہے — نہیں! بلکہ اس سے زیادہ کا کیونکہ قرآن مجید میں لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہتر فرمایا گیا ہے۔ اور اللہ کی قدرت اور اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، **یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید۔**

پس ایک مہینے رمضان کی ۲۹۔۳۰ راتیں ہی نہیں بلکہ پورے سال کی ساری راتوں کا کچھ حصہ بھی اگر آدمی اس خیال سے عبادت ودعا اور توجہ الی اللہ کے لئے دے دیا کرے کہ ان میں کوئی رات ضرور ہی لیلۃ القدر ہوگی تو کوئی بڑی بات نہیں ورنہ کم ازکم رمضان کی اور خاص کر اس عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں تو ضرور ہی اس دولت کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال   صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

لیلۃ القدر کے بارے میں ایک حدیث اور بھی یاد رکھنے کی ہے ——

(۴) حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ سے میں نے پوچھا کہ حضرت! اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جاوے تو میں اللہ سے کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا: عرض کرو کہ: **اللّٰھم اِنّک عفوٌّ تُحِبُّ الْعفوَ فَاعْفُ عنِّی** ''اے میرے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس مجھے بھی معاف فرمادے۔ (احمد، ابن ماجہ، ترمذی، مشکوٰۃ)

رمضان کی آخری رات

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے، آپ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شب قدر تو نہیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے —— (مسند احمد)

——اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان مبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کی رات ہے، لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ ان ہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کرکے اس کا استحقاق پیدا کرلے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف

رمضان مبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے، ——اعکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہوکر بس اللہ سے لو لگا کے اس کے در پہ (یعنی کسی مسجد کے کونے میں) اور سب سے الگ تنہائی میں اسی کی عبادت اور اسی کے ذکر وفکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہوسکتا تھا اسی لئے اس کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا ہے۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارکہ میں سب سے یکسو اور الگ ہوکر تنہائی میں اللہ تعالی کی عبادت اور اس کے ذکر وفکر کا جو بے تابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل غار حراء میں خلوت گزینی کرتے رہے یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی کہ آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوجائے۔ چنانچہ حراء کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیلؑ اقرأ کی ابتدائی آیات لے کر نازل ہوئے —— تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان مبارک کا مہینہ (کمار واہ البیھقی واختارہ ابن اسحاق، راجع فتح الباری) اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لئے بھی اعتکاف کے لئے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت وترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کردی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل اس کی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھاوے نہ پیوے نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے —— پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت اور تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کورس مقرر کیا گیا اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملأ اعلی سے خصوصی مناسبت

پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا۔اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کے اپنے مالک ومولی کے آستانے پر اور گویا اس کے قدموں میں پڑ جاتا ہے اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے اور رحیم وکریم مالک سے رحمت اور مغفرت مانگتا ہے اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے اسی حال میں اس کے دن گذرتے ہیں اور اسی کے حال میں اس کی راتیں —— ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے ایک سال آپ اعتکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا —— (جامع ترمذی)

حضرت انس کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہوسکنے کی کیا وجہ پیش آئی ۔سنن نسائی، سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرہ اخیرہ میں آپ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہوسکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے بیس دن اکا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح البخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا، یہ بیس دن کا اعتکاف غالبا اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

اعتکاف کے اصولی احکام

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس وکنار کرے اور نہ اپنی ضرورتوں کے لئے مسجد سے باہر جائے سوائے ان حوائج کے جو بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزے کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزے کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں

ہونا چاہئے اس کے سوا نہیں ——— (سنن ابی داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے اور مسجد میں مقید ہوجانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے اور نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے ——— (سنن ابن ماجہ)

جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کردیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر وتلاوت وغیرہ کے راستے سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہوجاتا ہے مثلاً وہ بیماروں کی عیادت وخدمت نہیں کرسکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار، مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کرسکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ میں شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جاسکتا جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کے صحیفۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہوجاتا ہے اور وہ ان کا عادی تھا۔ ع

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

ہماری روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے
رمضان میں کمی پوری کرلیں

الحمدللہ وکفیٰ، وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:
اعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلامٌ علی المرسلین، والحمدللہ رب العلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

مخلوق کو پیدا کرنے کا خدائی طریقہ

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو دو طریقوں سے پیدا فرمایا ہے، ''إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ'' کچھ چیزوں کو لفظ ''کُنْ'' سے پیدا کیا کہ ہوجا تو وہ ہوگئی۔ اللہ رب العزت کی عظمت کا اندازہ لگائیے کہ کسی چیز کا میٹیریل بھی نہیں، کسی چیز کی پلاننگ بھی نہیں، صرف اللہ نے ارادہ فرمایا تو Raw material (کچا مال) بھی بن گیا اور جو اللہ کا ارادہ تھا اس کے مطابق وہ چیز آناً فاناً وجود میں بھی آگئی، چنانچہ عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، جہنم اور فرشتے، یہ سب ''کُنْ'' سے پیدا ہوئے۔ آپ ذرا غور

کیجئے کہ جو چیزیں اللہ نے بنائیں ایسا یہ نہیں تھا کہ وہ مٹی کا تودہ تھا جو وجود میں آگیا نہیں، جنت اتنی خوبصورت اور کوالیٹی کے حساب سے اتنی اعلی کہ ہماری سوچ سے باہر ہے، کوئی انسان جتنا بھی جنت کے بارے میں سوچے وہ کبھی جنت کے بارے میں سوچ نہیں سکتا، ''مَالاعَینٌ رَأتْ'' کسی آنکھ نے وہ خوبصورتی دیکھی نہیں، ''وَ لاأُذُنٌ سَمِعَتْ'' کسی کان نے اس کی خوبصورتی کا تذکرہ کبھی سنا نہیں'' و لاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' کسی بشر کے دل پر اس کا گمان تک نہیں آسکا، ایسی جنت کو اللہ نے ''کُنْ'' سے بنادیا۔ اس کیکمیت اور سائز کا اندازہ لگائیں کہ وہ کتنی بڑی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں اس جنتی کو دیکھ رہا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں جائے گا، وہ جہنم میں جل رہا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے نکال کے جہنم کے کنارے کھڑا کر دیں گے، جب اس کو یقین ہوجائے گا کہ مجھے جہنم سے تو نکال دیا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے گا: یارب، یارب: اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا چاہتے ہو؟ وہ کہے گا کہ اللہ! مجھے اس جگہ سے تھوڑا فاصلہ پر کردیجئے'' **لاأسمع حسیسھاو لاأری أھلھا**'' نہ میں ان جہنمیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں نہ میں ان کی چیخ وپکار کو سننا چاہتا ہوں، مجھے اتنا دور کردیں کہ مجھے نہ یہ منظر نظر آئے نہ ان کی آواز آئے، اللہ تعالیٰ اس کو دور کردیں گے، پھر فرشتہ آئے گا اس کو ایک تالاب پر لے جائے گا اور کہے گا: ''**اغتسِلْ فی ھذاالغدیر**'' اس تالاب کے اندر نہالو، وہ ایسا پانی ہوگا کہ جب وہ اس میں نہائے گا تو اس کے جتنے زخم ہوں گے وہ ختم ہوجائیں گے، جو جلنے کی وجہ سے سیاہی ہوگی وہ بھی ختم ہوجائے گی اور انتہائی خوبصورت جسم والا وہ انسان بن جائے گا، پھر وہ وہیں کھڑا ہوگا، اس کو دور سے جنت کا منظر نظر آئے گا تو دل میں خواہش ہوگی، وہ کہے گا یارب یارب: اللہ تعالیٰ تو دلوں کا بھید جاننے والے ہیں، پھر بھی وہ فرشتے کو فرمائیں گے کہ جاؤ پوچھو کیا کہتا ہے؟ جب فرشتہ پوچھے گا تو وہ کہے گا کہ وہ جو منظر دور سے نظر آرہا ہے وہ ذرا قریب سے نظر آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے قریب کردیں گے، اب جب وہ وہاں جائے گا تو اس کو جنت کی ٹھنڈی معطر ہواؤں کے جھونکے آئیں گے، اب اس سے رہا نہیں جائے گا، پھر وہ کہنے لگے گا یارب یارب، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیں گے کہ میں جانتا ہوں کہ اس کے دل میں کیا ہے، پھر بھیتم ذرا جاکے پوچھو کہ وہ کہتا کیا ہے؟ تو وہ کہے گا یااللہ! اتنا دور ہوں کہ جنت کا دروازہ دیکھ رہا ہوں، ذرا قریب کردیجئے، تو فرشتہ اس کو جنت کے دروازے سے قریب کردے گا، اب وہاں پر اس کو جنت اور زیادہ واضح نظر آئے گی، پھر وہ کہنا شروع کرے گا یارب یارب، تو پھر فرشتہ

پوچھے گا کہ اب کیا چاہتے ہو؟ وہ چونکہ تین چار دفعہ پہلے کہہ چکا ہوگا تو کہے گا اب میں کچھ نہیں چاہتا، لیکن پھر وہ یارب یارب کہے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مجھے معلوم ہے کہ تیرے من میں کیا ہے، فرشتہ کو اللہ حکم فرمائیں گے کہ اس بندے کو جنت کے اندر داخل کردو، اب یہ بندہ جب جنت میں جائے گا تو ایسی جنت یہ دیکھے گا کہ جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگی، وہ حیران ہوجائے گا، پوچھے گا کہ یا اللہ! یہ کس کی جگہ ہے؟ تو اللہ فرمائیں گے کہ جتنی بڑی دنیا تم نے دیکھی تھی یہ اس سے دس گنا بڑی جنت ہے اور یہ تمہارے لئے ہے۔

ذرا غور کریں کہ جب آخری جنتی کو پوری دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی تو پھر جو اس سے اونچے ہوں گے، جو انبیاء ہوں گے، جو صحابہ ہوں گے، جو اولیاء ہوں گے اور سید الانبیاء ہوں گے، ان کی جنتوں کے کیا کہنے ہیں۔ اتنی تو جنت کی جسامت ہے، پھر جنت کی جو کوالیٹی ہے اس کی تو بات ہی کیا کرنی ہے، یوں سمجھ لیں کہ ہر بندے کو چھوٹی سی خدائی مل جائے گی، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا ''وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ'' جو تمہارا جی چاہے گا وہ ہوجائے گا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو ادلے کا بدلہ دیا کہ دنیا میں اس نے اپنی مرضی کو چھوڑا، رب کی مرضی پہ عمل کیا، اللہ کی مرضی کو پورا کیا، جب اللہ کی مرضی کو اس نے دنیا میں پورا کیا تو پروردگار عالم جنت میں اس کی مرضی کو پورا فرمائیں گے، تم دنیا میں میری مرضی پوری کرتے تھے، تم گناہوں سے رکتے تھے، تم برائیوں سے رکتے تھے اور تم میری مرضی پر عمل کرتے تھے، آج میں تمہیں موقع دیتا ہوں جو تمہاری مرضی ہوگی وہ پوری جائے گی۔ اب بتائیں وہ کیسی جنت ہوگی کہ بندے کے دل میں ایک خواہش ہوگی اور وہ پوری ہوجائے گی، عورتیں اپنے بارے میں سوچیں گی کہ میرا حسن ایسا ہو اور وہ ان کو مل جائے گا، آنکھیں ایسی ہوں، ناک ایسی ہو، رخسار ایسا ہو، چہرہ ایسا ہو، کپڑے ایسے ہوں، جو سوچیں گی وہ اسی وقت ہوجائے گا، تو اس کا مطلب ہے کہ ہر جنتی کو ایک چھوٹی سی خدائی مل جائے گی، جنتی بڑے خوش ہوں گے اور وہاں کی چیزوں کی کوالیٹی ایسی ہوگی، جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو رحم کے اندر پانی ہوتا ہے، جس کے اندر وہ Float (تیرنا) کر رہا ہوتا ہے Liquid ہوتا ہے، اسی لئے والدہ چلتی پھرتی کام کرتی ہے، تو وہ Shock absorber کا کام کرتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو بچہ تو ماں کے بطن میں رہ ہی نہیں سکتا، تو اللہ رب العزت نے اس کو اس Liquid کے اندر Floating بنا دیا۔ پھر جب عورت امید سے ہوتی ہے تو اس کے ماہانہ ایام ختم ہوجاتے ہیں؛ کیوں کہ اب وہی خون اس کی غذا بنتی ہے۔ اب انسان اگر سوچے کہ بچپن میں ماں کے بطن

میں ہم ایسی جگہ پر تھے کہ پیشاب تھا، جس کے اندر ہم Float کر رہے تھے اور یہ ہماری غذا بن رہی تھی تو بندہ کو کراہت ہوتی ہے، نفرت ہوتی ہے، تو علماء نے لکھا کہ جس طرح ماں کے پیٹ میں بچہ کی غذا کے بارے میں سوچ کر نفرت آتی ہے، اسی طرح جب جنتی جنت میں دنیا کی غذاؤں کے بارے میں سوچے گا تو اس کو ایسی ہی نفرت ہوگی، اب یہ مرغ ہے، یہ بریانیاں ہیں، یہ Mc Donald ہے، یہ سوپ ہے، یہ فلاں ہے، ہم کتنا ان کو انجوائے کرتے ہیں، مگر جنت کے کھانے ایسے ہوں گے کہ اس جگہ پر بندہ جب دنیا کے کھانے کے بارے میں سوچے گا تو ایسی ہی کراہت ہوگی کہ اوہو ہم دنیا میں یہ کھاتے پھرے؟ تو ایسی کونٹیٹی اور ایسی کوالیٹی ہوگی۔ اور یہ فقط ''کُنْ'' سے پیدا ہوئی۔

اور پھر اس کی وسعت کا اندازہ لگائیے کہ سارے جنتی جنت میں ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کے برابر ان کو درجے عطا کریں گے ''وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا'' ہر بندہ کو اس کے عمل کے برابر درجہ ملے گا، اور یہ درجہ کی Accountability (جواب دہی) اتنی Minute (باریک) ہوگی کہ روایت میں آتا ہے کہ دو بندوں کی زندگی کے اعمال بالکل ایک جیسے ہوں گے اور ان میں سے ایک نے ایک مرتبہ سبحان اللہ زیادہ کہا ہوگا تو زیادہ کہنے والے کا درجہ اونچا ہوگا بہ نسبت دوسرے کے، اندازہ کیجئے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کا فرق بھی وہاں feel (محسوس) ہو سکے گا، اس لئے حدیث پاک میں ہے کہ ''لَن يتحسَّر أهل الجنة'' جنت والوں کو کسی بات پہ حسرت نہیں ہوگی سوائے دنیا میں گذرے ہوئے ان لمحات کے جو انھوں نے اللہ کی یاد کے بغیر گذارے ہوں گے کہ کاش اس میں بھی ہم اگر اللہ کو یاد کر لیتے تو آج ہمارے درجے کتنے بلند ہوتے، آج ہم سبحان اللہ کو معمولی سا عمل سمجھتے ہیں اور چاہیں تو ایک دن میں ہزاروں مرتبہ سبحان پڑھ سکتے ہیں مگر نہیں پڑھتے، وقت ضائع ہوتا ہے، حالانکہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کا فرق بھی جنتی کے درجہ کو نیچے سے اوپر کر دے گا۔

اور پھر سب سے بڑی بات دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے کہ کیا تم سب مجھ سے راضی ہو؟ تمہیں کچھ چاہئے؟ وہ کہیں گے کہ کچھ نہیں چاہئے، تو جب وہ کہیں گے کہ کچھ نہیں چاہئے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا میں تم سے راضی ہوں، آج کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا، یہ خوشخبری سن کر جنتیوں کو جتنی خوشی ہوگی وہ جنت کی چیزوں کی لذتوں سے زیادہ ہوگی۔

یہ جنت جو اتنی تفاصیل اپنے اندر رکھتی ہے یہ لفظ ''کُنْ'' سے پیدا ہوئی، اللہ! تیری عظمت کے

اوپر قربان جائیں، تیری خالقیت کے اوپر قربان جائیں کہ ''کُنْ'' سے آپ نے ایسی چیز بنالی۔

مخلوق کو بنانے کا دوسرا طریقہ

مخلوق کو بنانے کا ایک دوسرا طریقہ ہے تدریجا بنانا۔آپ نے زمین میں بیج ڈال دیا تو وہ اگنا شروع ہوا، پہلے وہ پودہ بنا، پھر پتے لگے، پھول لگے، پھر پھل لگے، پھر درخت بنتے اس کو ۲۰، ۳۰ سال گذر جاتے ہیں، وہ ۲۰، ۳۰ سال کے بعد بھرپور درخت نظر آتا ہے، درختوں کی عمریں تو بہت ہوتی ہیں چنانچہ سائیکیڈ ایک درخت ہے وہ ایک ہزار سال کے اندر ایک میٹر اونچا ہوتا ہے اور دنیا میں ایسے ایسے سائیکیڈ کے درخت ہیں جو دس دس میٹر اونچے ہیں، صدیوں پرانے درخت ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ نے تدریجا بنایا۔

اسی طرح انسان کی مثال، کہ جب ماں کو امید لگتی ہے تو بچہ کو پیدا ہونے میں دس مہینہ کا وقفہ ہوتا ہے، اس دوران اللہ تعالیٰ بچہ کا جسم بنا دیتے ہیں اور پھر اس کی ولادت ہوتی ہے، مگر ولادت ہونے کے ساتھ ہی وہ کوئی کھانا نہیں کھانے لگ جاتا، وہ دوڑنے نہیں لگ جاتا، وہ بچہ ہی ہوتا ہے، پھر اس کو جوان ہونے میں مزید ۱۵ سال چاہئیں، ۱۵ سال کے بعد وہ جوان ہوتا ہے، تو یہ تدریجا جو سلسلہ ہے اس کو عالمِ خلق کہتے ہیں۔ چنانچہ عرش کے نیچے جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چاند ستارے، حیوانات، پرندے، خشکی کی مخلوق، تری کی مخلوق، یہ ساری کی ساری مخلوق یہ اللہ تعالیٰ نے تدریجاً پیدا فرمایا ہے۔اس لئے فرمایا ''خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ'' زمین کو دو دن میں پیدا کیا، ''ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ'' پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے، ''وَهِيَ دُخَانٌ'' اور یہ اس وقت دخان تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ۶ دن میں زمین وآسمان کو مکمل کیا، یعنی زمین کے بنانے میں دو دن لگے اور زمین کے اندر انسانوں کی غذائیت کو رکھنے میں چار دن لگے ''وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ'' کیا قدرت کی مہربانیاں ہیں کہ زمین کے اندر انسان کی ضروریات کو رکھنے میں چار دن لگے، پھر وہ دن ایسے ۲۴ گھنٹے کے تو نہیں تھے جیسے آج ہمارے یہاں ہیں، اللہ کے یہاں تو Scale کچھ اور ہی ہے، بہرحال ۶ دن میں زمین کی پیدائش مکمل ہوگئی۔ اور اللہ کی شان دیکھیں کہ آدمؑ سے لے کے آج تک Millions، Billions، Trillions لوگوں نے اسی زمین سے غذائیں حاصل کیں اور اللہ کی جو رکھی ہوئی برکت ہے آج تک اس میں کمی نہیں آئی۔

تو ایک عالم امر اور ایک عالم خلق ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں ''أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ'' امر بھی اسی کا، خلق بھی اسی کی، برکت والا ہے وہ پروردگار

جس نے کتنی اچھی مخلوق کو پیدا کر دیا۔

انسان عالمِ امر اور عالمِ خلق کا مجموعہ ہے

اب ہم اگر انسان پر غور کریں تو انسان ان دونوں عالم کا مجموعہ ہے۔ انسان کا ایک جسم ہوتا ہے، ایک اس میں روح ہوتی ہے، جسم عالمِ خلق سے ہے اور روح عالمِ امر سے ہے ''قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي'' کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے، تو روح عالمِ امر سے آئی اور جسم عالمِ خلق کا تو دیکھیں انسان عالم امر اور عالم خلق کا مجموعہ بن گیا۔

جسم کی ضروریات زمین سے پوری ہوتی ہیں

اب آپ اگلی بات سنیں کہ جو چیز جہاں سے بنی اس کی غذا بھی وہیں سے آتی ہے، مثلاً جسم عالمِ خلق سے بنایا، یوں سمجھیں کہ مٹی سے بنا تو اس کی ساری ضروریات مٹی سے پوری ہوتی ہیں، پانی مٹی سے نکلتا ہے، روٹی کی فصل زمین سے نکلتی ہے، چاول کی فصل زمین سے نکلتی ہے، لباس کے لئے کاٹن کی فصل زمین سے نکلتا ہے، گھر بنانے کے لئے جو میٹریل استعمال ہوتا ہے ماربل سمینٹ وغیرہ وہ سب کا سب زمین سے نکلتا ہے، انسان جو پھل کھاتا ہے، جو سبزیاں کھاتا ہے، سب زمین سے نکلتی ہیں، انسان کی ضرورت کی ہر چیز یہاں تک کہ سونا چاندی سب زمین سے نکلتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے جسم کو جہاں سے بنایا اس کی ضروریات کو بھی اللہ تعالیٰ نے وہیں رکھ دیا۔

روح کو غذا کی ضرورت

اور روح چونکہ عالمِ امر سے بنی ہے اس لئے روح کی غذا بھی عالمِ امر سے آتی ہے، عرش کے اوپر سے آتی ہے، اور وہ کیا چیز ہے؟ وہ نور ہے، جس طرح بدن کو کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے انوار و برکات کی ضرورت ہوتی ہے، یہ روح کی غذا ہے۔

روح کی طرف سے غفلت اور اس کا انجام

آج کے دور کی ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم ۲۴ گھنٹے جسم کی غذا کمانے اور کھانے میں مصروف رہتے ہیں، اور روح کی غذا کی طرف سے ہم کوتاہی کرتے ہیں، اگنور کرتے ہیں، آپ اگر گھر کے اندر ایک پودہ لگائیں، اور پانی دینا بھول جائیں تو کچھ دنوں کے بعد وہ پودہ کمزور ہو کے مرجائے گا، جس طرح پانی نہ

ملنے سے پودہ کمزور ہوتے ہوتے بالآخر مرجاتا ہے، روح کو اگر انسان غذا نہ دے تو روح بھی کمزور ہوتے ہوتے بالآخر مردہ ہوجاتی ہے، انسان دیکھنے میں چل پھر رہا ہوتا ہے مگر دل مردہ ہوتا ہے، غذا کبھی نہیں دی، دھیان ہی نہیں کہ روح کو غذا کیسی، جب انسان کی روح کمزور ہوجاتی ہے تو اس کے اوپر نفسانیت غالب آجاتی ہے، نفسانیت غالب آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعمال کرنے دشوار ہوجاتے ہیں، بندہ کو بخار ہوجائے اور آپ اس کو کہیں کہ جناب یہ ۲۰ کلو کا وزن سر پہ اٹھا کے ذرا فلاں جگہ پہنچا آؤ، وہ کہے گا کہ مجھ سے تو نہیں پہنچائے جاتے، جس طرح جسمانی بیمار بوجھ نہیں اٹھا سکتا، کام نہیں کرسکتا، اسی طرح جو روحانی بیمار ہو وہ نیک اعمال نہیں کرسکتا۔ اور اس کی مثال قرآن عظیم الشان میں ہے ''وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ'' کہ سوائے خاشعین کے دوسروں پر یہ نماز بھاری ہوتی ہے، اس کا پڑھنا بوجھ ہوتا ہے، کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ صبح فجر میں اٹھنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے ؎

کس قدر تجھ پہ گراں صبح کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

ایسے بندہ کے لئے نگاہ کا پرہیز مشکل، سچ بولنا مشکل، نمازیں پڑھنا مشکل، تلاوت کرنا مشکل، ہر اچھا کام کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انسان روحانی طور پر بیمار ہے۔ اور ایسے لوگ پھر دین سے بیزار ہوتے ہیں، لکھے پڑھے ہوں گے، بڑا مطالعہ ہوگا، مگر دین سے بیزار نظر آئیں گے، دین کی ان کو پابندیاں نظر آتی ہیں، دین ان کو سخت نظر آتا ہے، اس وجہ سے کہ روح بیمار ہے۔

چنانچہ آپ دیکھئے کہ آج کے دور میں ہم بیٹے کی شادی کسی لڑکی کے ساتھ کرتے ہیں تو ان کے جسم میچور ہوتے ہیں، خاوند کی عمر ۲۲ سال ہوتی ہے اور بیوی کی عمر ۲۰ سال، تو جسم تو میچور ہوگئے، چونکہ ۲۰ سال ان کو کھانا ملتا رہا، غذا ملتی رہی، Nourishment ملتی رہی، تو جسم پروان چڑھا اور ان کی روح کو غذا نہیں ملی ہوتی تو روح کی Development (نشوونما) نہیں ہوتی، اس لئے روح کی مثال تین سال کے بچے کی طرح ہوجاتی ہے، اسی لئے شادی ہوتے ہی آپس کے جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں، ان جھگڑوں کی بنیاد ہی یہ ہوتی ہے کہ نہ اُدھر روح پوری طرح جوان ہے، نہ اِدھر روح پوری جوان ہے۔ آپ ایک کمرے میں تین سال کے دو بچوں کو ذرا تھوڑی دیر الگ کردیں، دس منٹ کے اندر ان کی لڑائی ہوجائے گی، دس منٹ کے بعد چیخ وپکار شروع ہوجائے گی، کیوں کہ وہ بچے تھے، ان کو لڑنا ہی تھا، تو ان جوان العمر میاں بیوی کی مثال بھی اصل میں ان تین سال کے بچوں کی سی ہے، شادی ہونے کے بعد چیخ وپکار شروع ہوجاتی

ہے،لڑکی والوں کو دیکھو تو ادھر چیخ وپکار ہے، شکوے ہی شکوے ہیں،لڑکے والوں کو دیکھو تو ادھر چیخ وپکار ہے، کیونکہ ہم نے اپنی روح کو غذا نہیں پہنچائی ہوتی ہے۔آج ہم دس گھنٹے کاروبار میں دیتے ہیں،اس کا مطلب ہے کہ ہم جسم کی غذا کے لئے فکرمند ہیں،آپ غور کریں کہ ہم اپنی روح کی غذا کے لئے کتنا وقت نکالتے ہیں،ہمیں دن میں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ہمیں روح کو بھی کچھ غذا دینی ہے؟ شاید ہم اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے،جب ضرورت ہی نہیں سمجھتے تو روح کیسے پرورش پائے گی؟ کیسے وہ مضبوط ہوگی؟ کیسے وہ توانا ہوگی؟؟؟۔

روح کی چند غذائیں

روح کی غذا کے لئے ہمارے مشائخ نے کچھ اعمال بتائے ہیں،اگر آپ ان چیزوں کو استعمال کریں گے تو آپ کی روح کو غذا ملے گی۔

(۱) درود شریف کثرت سے پڑھنا

سب سے پہلے دورد شریف پڑھنا۔یہ روح کی غذا کیسے ہے؟ وہ اس طرح کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''جو شخص ایک مرتبہ نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں''۔دیکھئے درود شریف پڑھنے کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوا،یہ رحمتیں روح کی غذا بنیں گی۔اب ہماری تو کوتاہی کی حد یہ ہے کہ ہم سو مرتبہ بھی درود شریف روز نہیں پڑھ پاتے۔ایک صحابیؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں کتنا درود شریف پڑھوں؟ فرمایا: جتنا پڑھ سکتے ہو،کہا اے اللہ کے رسول! میں One fourth (ایک چوتھائی) پڑھوں گا،فرمایا زیادہ پڑھو گے تو تمہارا اور فائدہ ہوگا،کہنے لگے اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اپنا آدھا وقت درود شریف پڑھنے میں لگاؤں گا،نبی علیہ السلام نے فرمایا زیادہ پڑھو گے تو تمہیں زیادہ فائدہ ہوگا،کہا اے اللہ کے نبی ﷺ میں Three quarter (تین چوتھائی) پڑھوں گا،فرمایا زیادہ پڑھو گے تو زیادہ فائدہ ہوگا،حدیث پاک میں ہے کہ اس صحابی نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں پورا وقت ہی درود شریف پڑھا کروں گا،تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کردیں گے اور تمہارے کاموں کو سنوار دیں گے۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تسبیح،تحمید،تکبیر اور تہلیل یعنی سبحان اللہ،الحمدللہ،اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلتیں نہ بتلائی ہوتیں تو میں سارا وقت نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف ہی پڑھتا رہتا، چونکہ ان کی بھی فضیلتیں بتائی گئی ہیں اس لئے میں ادھر بھی وقت دیتا ہوں۔ پتہ چلا کہ یہ درود شریف پڑھنا روح کی غذا ہے اور سند ہے، ایک دفعہ پڑھ لے تو دس رحمتوں کا نزول ہوگا اور یہی رحمتیں تو انسان کی روح کی غذا ہیں۔

(۲) تلاوتِ قرآن کریم

پھر اس کے بعد تلاوت کلام پاک ہے، اس کا Proof کیا ہے؟ فرمایا: ''وَإِذَا قُرِأَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ'' قرآن پاک سے ثبوت مل رہا ہے کہ تلاوت کلام پاک کی بنا پر انسان کے اوپر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں، لہٰذا وہ روح کی غذا ہوئی۔ اب اس کے دو طریقے ہیں، یا تو انسان ناظرہ پڑھے یا یاد کیا ہوا پڑھے، اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اس کو نماز کی حالت میں پڑھے تو اور زیادہ رحمتیں بڑھیں گی۔ چنانچہ آپ اپنے اکابر کی زندگیوں کو دیکھیں تو ان کی زندگی کا ایک بڑا معمول تھا رات کا بیشتر حصہ تہجد کی نماز میں اللہ کا قرآن پڑھنا، اور یہ نہیں تھا کہ وہ سارے کئی کئی پارے ہی پڑھتے تھے، پارے بھی پڑھتے تھے اور بہت سی مرتبہ ایک ایک آیت کو بار بار پڑھ کر قند مکرر کا مزہ لیا کرتے تھے۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ جو فقہائے مدینہ میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہؓ کو دیکھا، انھوں نے چاشت کی نوافل کی نیت باندھی اور ایک آیت کو پڑھنے لگیں، میں کافی دیر بیٹھا رہا، جب میں نے دیکھا کہ ٹائم زیادہ لگ رہا ہے تو میں نے سوچا کہ بازار جاتا ہوں، فلاں کام کر کے آتا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ میں بازار بھی گیا، کام بھی سمیٹا، جب واپس گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ اسی جگہ پر کھڑی اسی آیت کو بار بار پڑھ رہی ہیں۔ اتنی اتنی دیر ایک ایک آیت کی تلاوت ہوتی تھی کہ گھنٹوں گذر جاتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام بھی تہجد میں اتنا قرآن پڑھتے تھے کہ ''حتی تورَّمتْ قدماہ'' قدمین مبارک کے اوپر ورم آجاتا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ کا تو قرآن مجید کے ساتھ عشق معروف ہے، وہ قرآن ہر وقت پڑھتے تھے، آنکھوں میں آنسو ہوتے تھے، خود بھی روتے تھے دوسروں کو بھی رلا دیتے تھے۔ اور عمرؓ فجر کی نماز میں تلاوت کیا کرتے تھے تو رونے کی آواز چوتھی صف میں جایا کرتی تھی۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ۴۰ سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز کا معمول رہا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ درمیان میں کبھی اس کے خلاف ہی نہیں ہوا، یہ تو عرف میں ایک بات کہی جاتی ہے، اور جو بات عرف میں کہی جائے اس کو اسی طرح قبول کرتے ہیں، اس کی مثال سن لیجئے کہ ایک بندہ پڑھتا ہے اور پھر کالج میں پڑھانے لگتا ہے حتی کہ پڑھاتے پڑھاتے اس کی وہیں پر وفات ہوجاتی ہے تو لوگ بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس

نے تو ساری زندگی بس پڑھنے پڑھانے میں گذار دی، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ درمیان میں ایک دن بھی چھٹی نہیں کی؟ عرف میں کہا جاتا ہے کہ گویا پورا وقت ہی اس نے اسی ترتیب پہ گذارا، اسی طرح ۴۰ سال ان کا یہ معمول رہا، اگر درمیان میں کوئی ایک آدھ دن ایسا نہ بھی ہوسکا یا درمیان میں وضو کرلیا تو اس میں کونسا اشکال ہے؟ اس کی دلیل سن لیجئے، قرآن مجید میں ہے، ملکۂ بلقیس کے بارے میں فرمایا: ''وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ'' کہ ہر چیز اس کے پاس تھی، اب ''کل'' کے لفظ کو کوئی پکڑ کے بیٹھ جائے کہ اس کے پاس Refrigerator تھا؟ اس کے پاس Mercedes گاڑی تھی؟ تو کہا جائے گا او عقل کے اندھے! اس زمانے میں جو کچھ بادشاہوں کے پاس ہوتا تھا وہ سب کچھ تھا، اسی طرح یہ کہا کہ ۴۰ سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، یعنی ان کا یہ معمول رہا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گیا تو مجھے راستے میں ۱۶ دن لگے اور میں نے اس دوران ۱۶ مرتبہ قرآن مجید کو مکمل پڑھ لیا، اتنا قرآن پاک وہ پڑھا کرتے تھے۔ اب ذرا ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں ہماری زندگیوں میں کتنی تلاوتیں ہیں؟ اکثر تو ایسے ہیں کہ قرآن پڑھتے ہی نہیں، اکثریت کی زندگی میں قرآن کی تلاوت آج نہیں ہے اور جو پڑھتے بھی ہیں تو وہ بھی ایک پاؤ پڑھ لیا، آدھا پارہ پڑھ لیا، مشکل سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ایک پارہ پڑھتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اپنی روح کو غذا پہنچائی ہی نہیں ہے، کھانا تو کھاتے ہیں دن میں تین مرتبہ، اور اگر ایک دن کھانا نہ ملے، نہ ناشتہ، نہ دوپہر کا کھانا، نہ رات کا کھانا تو اگلے دن اٹھتے ہوئے سر چکراتا ہے، کھڑا نہیں ہوا جاتا، ایک دن کے غذا کے ناغے پر اگر بدن کی کمزوری اتنی ہوگئی کہ چکر آنے لگتے ہیں تو جس روح کو مہینوں کے حساب سے اور سالوں کے حساب سے غذا ملی ہی نہیں اس روح کا کیا حال ہوگا؟

اس لئے اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ وقت نماز متعین فرمائی کہ میرے بندوں کو دن میں پانچ مرتبہ روحانی غذا ملنی چاہئے، جو پانچ نمازیں پڑھتا ہے اس کی روح کو پانچ مرتبہ Nourishment مل جاتا ہے اور انسان روحانی طور پر مضبوطی محسوس کرتا ہے۔

(۳) کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا

تیسری چیز اللہ کا ذکر ہے۔ اس سے بھی نور اترتا ہے، اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں بھی ہے۔ حدیث مبارک میں بھی ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب کچھ لوگ اللہ کی یاد کے لئے اکٹھا ہوتے ہیں ''نزلت عليهم السكينة'' ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور قرآن مجید میں سکینہ نور کو کہتے ہیں، برکت کو کہتے

ہیں، تو ذکر کرنے پر انسان کے اوپر سکینہ نازل ہوتی رہے گی، جتنی دیر ذکر کرتا رہے گا اتنی دیر روح کو غذا ملتی رہے گی، چاہے زبانی ذکر کرے یا قلبی ذکر کرے۔ اس لئے فرمایا کہ ''جب تم جنت کے باغوں میں جاؤ تو چر لیا کرو، صحابہ نے پوچھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنت کے باغ کیا ہیں؟ تو فرمایا: ''حِلَق الذِکر'' ذکر کے حلقے، تو معلوم ہوا کہ یہ جو ذکر کے حلقے ہیں ان پر اللہ کی طرف سے رحمتیں اترتی ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ جب کچھ لوگ اکٹھا ہوتے ہیں ''مِن بلادشتّٰی'' مختلف شہروں سے ''و قبائل شتی'' مختلف قبیلوں اور برادریوں سے ایک جگہ اللہ کو یاد کرنے کے لئے تو اللہ ان کے اوپر بھی اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ تو ذکر سے بھی انسان کی روح کو غذا ملتی ہے۔

اب ہم کتنا ذکر کرتے ہیں؟ ناشتہ میں لگتا ہے آدھا گھنٹہ، اور دوپہر کے کھانے میں ایک گھنٹہ، اور رات تو باہر کھانے کی عادت ہوتی ہے تو اس میں دو گھنٹے لگاتے ہیں، تو جہاں کھانے پہ ۲۴ میں سے ۳ گھنٹے لگا دئے وہاں ذکر کے لئے کوئی کہتا ہے ۵ منٹ، کوئی کہتا ہے دو منٹ، کوئی کہتا ہے ایک منٹ، بھائی! اگر کسی پرائمری پڑھنے والے بچے کو کہیں کہ بچے! تمہیں پندرہ منٹ روزانہ پڑھنا ہے تو تم پرائمری امتحان میں پاس نہیں ہو سکتے، تو کیا ۱۵ منٹ روزانہ مراقبہ کرنے والا ولایت کے امتحان میں پاس ہو جائے گا؟ نرسری کلاس کا بچہ ۱۵ منٹ روز پڑھے اور پھر کتاب ہٹالے تو وہ ۱۵ منٹ پڑھ کے نرسری میں پاس نہیں ہو سکتا تو ۱۵ منٹ مراقبہ کر کے ہم کہاں سے ولایت کا نور پائیں گے؟ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم ذکر زیادہ کریں۔ ہمارے مشائخ نے اس کا آسان طریقہ بتا دیا کہ دیکھو تم ہر وقت سب کام چھوڑ کے ذکر کے لئے بیٹھے تو نہیں رہ سکتے تو اس کا بہترین طریقہ ''دست بکار دل بیار'' ہے کہ ہاتھ کام کاج میں مشغول ہو اور دل اللہ کی یاد مشغول ہو تو تمہیں گھنٹوں وہ رحمت اور وہ نور اپنے دل میں جمع کرنے کا موقع مل جائے گا

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند　　　بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

جو بھی ماحول ہو، جو بھی موسم ہو، ہر حال میں لا الٰہ الا اللہ، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری یاد میں زندگی گذاریں، شاعر نے لکھا

غضب کیا تیری یاد نے مجھے آستایا نماز میں
میرے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں

وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ! میں نے نماز کی نیت باندھی تو میرا دل آپ کی طرف متوجہ ہو گیا اور جو سجدے

قضا ہوئے تھے وہ بھی ادا ہو گئے، اس لئے کہ آپ کی محبت میں میں نے نماز پڑھی۔ تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم ذکر کی کثرت کریں، کیونکہ ذکر سے ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) استغفار کی کثرت

چوتھی چیز استغفار ہے، یہ استغفار اصل میں انسان کے دل پر جو گناہوں کے اثرات ہیں یہ ان کو دھونے کے لئے ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ونڈ واسکرین کے اوپر وائپر لگا ہوتا ہے، آپ ٹراویل (سفر) کر رہے ہیں تو موسم کی وجہ سے ونڈ واسکرین کے اوپر دھند آجاتی ہے تو جب باہر دھند آجائے تو وائپر چلا دو تو صاف ہو جائے گا پھر چند کلومیٹر چلتے ہیں پھر دھند آجاتی ہے تو پھر وائپر چلا دیتے ہیں وہ صاف ہو جاتا ہے تو استغفار کی مثال ایسی ہے کہ جیسے یہ روزانہ سو مرتبہ وائپر چلا کر دل کی ظلمت کو مٹا دیتے ہیں۔

یہ اعمال دیکھنے میں تو ایسے ہیں جیسے یہ نفلی کام ہیں، لیکن اگر غور کریں تو یہ نفلی کام نہیں بلکہ یہ روح کی غذا ہیں، اب یہ اعمال چونکہ عام زندگیوں سے نکل چکے ہیں، آج تو بچہ پیدا ہوتا ہے، ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کو نرسری میں لگا دیتے ہیں، اسکول اور کالج میں ڈال دیتے ہیں تو اسکول اور کالج میں جانے والے بچوں کو ان معمولات کا کیا پتہ، وہ تو ان معمولات سے بالکل ناآشنا ہے، اس کا مطلب کہ ان کی روح کو Nourishment مل ہی نہیں رہی ہے، Nutrition (غذا) مل ہی نہیں رہی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ آپ اسکول اور کالج کے بچوں کو دیکھیں تو ان پر نفسانیت غالب ہوتی ہے، شہوات غالب ہیں، خواہشات غالب ہیں، ذرا سی بات پہ لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، یہ علامت ہے کہ ان کی روح ابھی صحیح طرح پروان نہیں چڑھی۔

(۵) کسی صاحبِ بصیرت سے تعلق جوڑنا

بہت سی مرتبہ جسمانی بیماریوں کا علاج دوا لینے میں ہوتا ہے اور بہت سی مرتبہ اس کا طریقہ اور ہوتا ہے، اس کو کہتے ہیں شعاعوں سے علاج کرنا، جیسے کسی آدمی کو اگر کینسر ہو جائے تو شعاعوں سے علاج کرتے ہیں، وہ شعاعوں کے سامنے Expose کرتے ہیں اس سے ان کا کینسر ختم ہو جاتا ہے، کنٹرول ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ایک طریقہ رکھا ہے کہ اگر تمہارے دل میں گناہوں کا کینسر زیادہ ہو گیا اور اس کی وجہ سے عمل نہیں کر پا رہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم کسی صاحبِ باطن، کسی صاحبِ بصیرت بندے کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لو، جب تم کسی سے تعلق جوڑو گے تو اس کے قلب کی مثال ایسی ہے جیسے شعاعیں ڈالنے

والا کوئی آلہ ہوتا ہے، وہ شعاعیں ڈال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، جیسے عام آلہ شعاعیں ڈال کے انسان کے جسم سے کینسر کو ختم کر دیتا ہے، اسی طرح شیخ کے دل کی وہ توجہات انسان کے دل سے گناہوں کا کینسر ختم کر دیتی ہیں۔ اور ویسے بھی ہم نے دیکھا کہ اگر لوہے کو مقناطیس کے ساتھ ملائیں اور کچھ عرصہ کے بعد الگ ہٹائیں تو وہ لوہا خود مقناطیس بن جاتا ہے، Magnetism (مقناطیسیت) اس میں ٹرانسفر ہو جاتا ہے، اسی طرح جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے ان کے ساتھ تعلق جوڑنے سے انسان کے اپنے دل میں اللہ کی محبت بڑھ جاتی ہے، پھر اس سے روح میں بیداری آجاتی ہے، ہمیں چاہئے کہ یہ تعلق بھی ہم اپنے بڑوں سے جوڑیں، ان اللہ والوں کی مثال ایسی ہے کسی نے کیا خوبصورت بات کہی: ''رویتُہٗ شفاء و موعظتُہ دواء'' ان کا دیکھنا شفا ہوتی ہے اور ان کا وعظ کہہ دینا انسان کے لئے دوا ہوتی ہے۔ ایک اور عجیب بات کسی نے کہی ''یُنتفَع برؤیتِہ قبلَ روایتِہ'' ان کے بولنے سے پہلے ان کے دیدار سے ہی انسان کو نفع مل جاتا ہے، حالانکہ انھوں نے کلام نہیں کیا ہوتا ہے، وہ بات ہی نہ کریں پھر بھی فائدہ ہوتا ہے، اس لئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مردِ کاملے پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن　　جان ودل راجانب دلدار کن

کسی اللہ والے کے قدموں میں اپنے آپ کو پامال کر دو دل سنور جائے گا۔ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت شعر کہا ہے:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق　　جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست　　زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

یعنی ایسا شیخ کہ جس کی صحبت میں رہ کر جو حاضر و موجود ہے اس سے انسان بیزار ہو جائے اور اس کا آخرت کی طرف رجحان ہو جائے، وہ تجھے موت کے آئینہ میں دکھائے کہ دیکھو دیکھنے میں یہ موت ہے حقیقت میں یہ تمہارے یار کا وصل ہے۔ تو جب انسان کو یہ محسوس ہو کہ مرنے کے بعد اللہ سے وصل ہوگا تو پھر وہ موت کی تمنا کرے گا اور پھر وہ آخرت کی تیاری کرے گا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا: ''التجافی عن دار الغرور'' دھوکے والے گھر سے انسان کا دل کٹ جائے ''والانابۃ اِلی دار الخلود'' ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف اس کا رجحان ہو جائے تو یہ مومن کی پہچان ہے۔

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے فقر کی شان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

احساس زیاں کا مطلب کہ نقصان کتنا ہو چکا اس کا احساس پیدا کرے، مثال کے طور پہ آج کی اس مجلس میں جو آدھی گفتگو آپ نے سنی تو اس کے سننے کے بعد یہ احساس دل میں ضرور ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی روح کو بہت Ignore (نظر انداز) کیا، ہم نے تو معمولات ہی نہیں کئے، روح کو غذا ہی نہیں پہنچائی، تو ہماری روح تو اتنی قوی نہیں ہوگی، تو ایسے حضرات سے تعلق جوڑنے سے انسان کے دلوں کی بیماریاں ختم ہوتی ہیں اور دلوں میں نور آتا ہے اور انسان کی روح قوی سے قوی تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

(۶) روزے رکھنا

چھٹی بات جس سے انسان کی روح کو غذا ملتی ہے، وہ ہے روزہ رکھنا، بھوکا رہنا اصل میں ملکوتی عمل ہے، ملائکہ کا عمل ہے، ملائکہ کھاتے پیتے نہیں، جب انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے تو وہ فرشتوں والا عمل کرتا ہے، یہ ملکوتی عمل اس کے دل کے منور ہونے کے لئے بہت کافی ہوتا ہے۔ اب رمضان کا مہینہ قریب آ گیا، رمضان المبارک تو رحمتوں کا مہینہ ہے، رحمتوں کا سفینہ ہے، ہر ہر روزے پر انسان کی روح کو انوارات ملتے ہیں، اس لئے رمضان شروع ہوتے وقت اپنی حالت کو دیکھیں اور رمضان ختم ہونے کے بعد اپنی حالت کو دیکھیں تو آپ کو خود روحانیت میں ایک بلندی نظر آئے گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے فیکٹریز چلتی ہیں Fertilizer (کھاد کی) فیکٹری ہوتی ہے اور ۲۴ گھنٹے چل رہی ہوتی ہیں تو ان کے یہاں ہر سال ایک Maintenance کا مہینہ ہوتا ہے، اس مہینہ میں پورے Plant کو بند کر دیتے ہیں اور پھر ہر موٹر کو کھول کے اس کی Wearing بدلتے ہیں، پمپ کو کھول کے اس میں Wear tear ہوتی ہے تو اس کے پرزے بدل دیتے ہیں، اس کو ٹھیک کر دیتے ہیں، اس کو گریز کر دیتے ہیں، حتی کہ جب اچھی طرح Maintenance (رکھ رکھاؤ) ہوتی ہے تو وہی مشین پھر دوبارہ ایک سال اور چلنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے انسان کی باطنی Maintenance کے لئے یہ رمضان کا مہینہ رکھا ہے کہ میرے بندو تم پچھلے گیارہ مہینے تک گناہ کرتے رہے، تمہاری آنکھوں پہ اس کا اثر ہوا، دل پہ اثر ہوا، لہٰذا آؤ ذرا اس میں روزے رکھو اور دعائیں مانگو اور میرا قرآن سنو، سحری کرو گے، افطاری کرو گے، ہم سے مانگو گے تو ہم تمہارے جسم کے ان تمام زنگ کو ختم کر دیں گے اور ہم روحانی طور پر تمہیں ایک نئی زندگی عطا کر دیں گے۔

رمضان المبارک کا مہینہ انسان کی روحانیت کی بلندی کے لئے بہت اہم ہے، حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام اس مہینہ کا انتظار فرماتے تھے، اب انتظار تو اسی چیز کا کرتے ہیں جو بہت قیمتی ہوتی ہے، نبی علیہ السلام دعا مانگتے تھے: ''اللّٰھم بارِک لنافی رجب و شعبان و بلِّغنا رمضان'' اللہ! رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور رمضان تک بخیریت پہنچا۔ جس مہینہ کے آنے کی دعائیں مانگتے تھے اللہ کے حبیب ﷺ وہ مہینہ کتنا بابرکت مہینہ ہوگا؟

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان آتا تھا تو میں نبی علیہ السلام کے اندر تین تبدیلیاں محسوس کرتی تھی، پہلی تبدیلی کہ اللہ کے حبیب ﷺ دعا میں بہت خشوع فرماتے تھے، بہت رو رو کے دعائیں مانگتے تھے، اور عبادت میں اپنے آپ کو تھکا دیتے تھے، اور اللہ کے راستے میں دونوں ہاتھ سے خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت زیادہ کرنا، یا دعا لمبی مانگنا یہ تو روح کی غذا ہے، گویا رمضان المبارک میں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ روح کی غذا زیادہ پہنچانے کے لئے خوب کوشش کیا کرتے تھے۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت قبول ہوتی ہے تو ہم روزہ افطار کے وقت دعا مانگیں کہ اللہ! ہم باطنی طور پر کمزور ہیں، ہماری کمزوری کو قوت میں تبدیل فرمادے، ہماری روحانی بیماریوں کو ختم فرمادے، بدنظری سے بچالے، جھوٹ سے بچالے، غیبت سے، حسد سے، کبر سے، عجب سے، اور جو جو بیماریاں ہیں ان سب سے بچنے کی دعا مانگنی چاہئے۔

ذرا غور کریں کہ جبرئیلؑ نے یہ دعا مانگی کہ برباد ہوجائے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس نے اپنی مغفرت نہ کروائی، اور اللہ کے حبیب ﷺ نے اس دعا پر آمین کی مہر لگادی، ماں بچے کو کبھی بد دعا نہیں دیتی، اللہ کے حبیب ﷺ جو ماں سے بھی زیادہ اپنے امتی سے محبت کرنے والے ہیں وہ کیسے بد دعا دے سکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ نقصان اتنا بڑا ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے بھی تصدیق کردی کہ واقعی رمضان کا مہینہ آئے اور مغفرت نہ کروائے تو وہ بدبخت ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس بددعا کے اوپر آمین فرمادی۔

اور پھر اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے رحمت کی انتہاء کردی کہ آخری دس دن کا اعتکاف عطا کردیا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہوگئی، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو رمضان کا اعتکاف کرے اس کے لئے دو کامل حج اور دو کامل عمرہ کرنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی بندہ آکے محبوب کی چوکھٹ

پکڑ کے بیٹھ جائے کہ اگر تو در نہ کھولے گا تو میں بھی در نہ چھوڑوں گا، ان دس دنوں میں میں اللہ کو منا کے اٹھوں گا

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

بیسویں روزے کو اللہ کے در پر ہجومِ عاشقاں ہوتا ہے، اعتکاف والے گھروں کو چھوڑ کر آ جاتے ہیں کہ اللہ بس اب تیرے در پر پڑے ہیں، اب تجھے منا کے اٹھیں گے۔

جو حضرات سنت اعتکاف نہ کر سکیں، وہ محروم نہ رہیں، چھٹی کے دن نفل کی نیت سے اعتکاف کر لیں، بہترین طریقہ تو یہی ہے کہ نفل کی نیت دس دن کی کر لیں، مسجد سے تیار ہو کر دفتر جائیں اور دفتر سے تیار ہو کے مسجد آ جائیں، تاکہ جتنا وقت بھی نفل اعتکاف میں گذرے اتنا تو گذر جائے۔ لہٰذا اس رمضان میں ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی روح کو جتنی غذا پہنچا سکتے ہوں پہنچائیں تاکہ روحانی طور پر بھی ہم بالغ ہو جائیں اور قوی ہو جائیں۔

(۸) دعا مانگنا

آٹھویں چیز جس سے کہ انسان کی روح کو غذا ملتی ہے، وہ ہے دعا، کہ انسان اعمال بھی کرے اور اللہ سے دعا بھی مانگے، جب دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان پر رحمت برساتے ہیں اور اس کے ایمان کو کامل کر دیتے ہیں۔ اسی لئے قیامت کے دن منافقین اور منافقات جب دیکھیں گے کہ ان کے سروں کے اوپر تو روشنی نہیں ہے، جب کہ ایمان والوں کے پاس روشنی ہوگی، تو وہ کہیں گے: ''اُنْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ'' پلیز ہماری طرف بھی ذرا توجہ کریں تاکہ ہم بھی آپ کی روشنی سے فائدہ اٹھائیں تو فرشتے کہیں گے: ''قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا'' جاؤ پیچھے دنیا میں، یہ نور تو دنیا میں ملا کرتا تھا، تو اس نور کی ضرورت ہمیں قیامت کے اندھیرے میں محسوس ہوگی، آج ہم اس نور کو حاصل کرنے کے لئے دعائیں مانگیں، اس لئے ایمان والوں کو دعا سکھائی کہ وہ دعا مانگتے ہیں: ''رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا'' اللہ! ہمارے اس نور کو کامل کر دیجئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام دعا مانگا کرتے تھے، اب ذرا اس دعا کو سن لیجئے کہ آپ ﷺ کو اس روحانی غذا کی کتنی فکر تھی، آپ فجر کی سنتیں پڑھ کر جب مسجد میں جاتے تھے تو راستے میں یہ دعا

مانگتے تھے کہ: ''اللھم اجعل فی قلبی نورا، وفی بصری نورا، وفی سمعی نورا، وعن یمینی نورا، و عن شمالی نورا، ومن خلفی نورا، ومن أمامی نورا، واجعل لی نورا، وفی عصبی نورا، وفی لحمی نورا، وفی دمی نورا، وفی شعری نورا، وفی بشری نورا، وفی لسانی نورا، واجعل فی نفسی نورا، وأعظم لی نورا، ومن فوقی نورا، ومن تحتی نورا، وأعطنی نورا'' اب دیکھیں کہ کتنی پیاری دعا اللہ کے حبیب ﷺ نے امت کو سکھائی، اور ہم میں سے کتنے ہیں جو روزانہ یہ دعا مانگتے ہیں، اگر ہم روزانہ مانگتے ہی رہتے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ کی رحمت متوجہ ہوجاتی مگر ہم تو اس Aspect (پہلو) سے کوئی محنت ہی نہیں کر پا رہے کہ ہماری روح بھی غذا پائے، اور آج تمام دنیا کے فسادات اسی لئے ہیں کہ جسم میچور ہو چکے اور روح میچور ہوئی نہیں، اس لئے روح کی غذا کے لئے بھی ہمیں کوشش کرنی چاہئے، بلکہ یہ صرف رمضان کا مہینہ ہی نہیں روزے میں گذارنا یہ تو ایک مہینہ کی مشق ہے، حقیقت میں تو پوری زندگی ہی روزے کی طرح گذارنی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے تو ایک فقرہ میں بات سمجھادی، فرمایا: ''الدنیا یوم ولنا فیھا صوم'' دنیا ایک دن کی ہے اور ہم نے اس ایک دن میں روزہ رکھا ہوا ہے، جیسے رمضان میں انسان کئی گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے، فرماتے ہیں تھوڑی سی تو زندگی ہے پوری زندگی گناہوں کو چھوڑے، لہٰذا ہم دعا بھی مانگیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بیدار فرمادے، روح کو تازہ کردے، اور رب کریم ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمالے، آج عبادت کرلیں گے، محنت کرلیں گے، تو اس کا نتیجہ کل قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اور اگر غفلت برتیں گے تو پھر جیسے ہی اس دنیا سے آنکھیں بند ہوں گی انسان کو اس وقت اپنے نقصان کا احساس ہوگا کہ میں کتنا بڑا نقصان کر بیٹھا، دنیا کے اندر میں نے تیاری کوئی نہ کی۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ماں کا پیٹ بچے کا Organ develop (اعضاء کی نشونما) ہونے کی جگہ ہے، اگر کوئی آرگن (عضو) ادھر ڈیولپ (نشونما) نہ ہو تو باہر آ کے ڈیولپ نہیں ہوسکتا، مثلاً ایک بچہ ماں کے پیٹ سے اندھا پیدا ہوتا ہے، دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس کو بینائی لاکر نہیں دے سکتا، یا کسی کی پانچ انگلیاں نہ بنیں تو دنیا میں آ کے انگلیاں بن نہیں سکتیں، کیونکہ ماں کا پیٹ اعضاء بننے کی جگہ تھی، وہاں نہیں بنا تو یہاں کیسے بن پائے گا۔ اسی طرح زمین وآسمان کا پیٹ ہماری روح کے سنورنے کی جگہ ہے، روحانی طور پر پرورش پانے کی جگہ ہے، اگر ہم یہاں رہتے ہوئے اس نور کو پیدا نہیں کریں گے تو پھر مرنے کے

بعد یہ نور ہمارے اندر کبھی پیدا نہیں ہوگا، پھر ہم حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے بھی اپنی روح کے لئے کچھ کیا ہوتا، وہاں جاکے اس کی قدر و قیمت سمجھ میں آئے گی۔

تفسیر روح البیان میں مفسر نے لکھا ہے کہ دس جانور جنت میں جائیں گے، ان میں ایک موسیٰؑ والی گائے جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اس کو اللہ تعالی جنت عطا کریں گے، دوسرا یونسؑ کی وہ مچھلی جس نے یونسؑ کو اپنے پیٹ میں لے لیا تھا، اس کو بھی اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے، اسماعیلؑ کی جگہ جو مینڈھا ذبح ہوا اس کو بھی جنت ملے گی، ابراہیم کے پاس جب فرشتے آئے تھے اور ابراہیمؑ نے ایک ''عجل سمین'' (بچھڑے) کو ذبح کیا تو وہ بھی جنت میں جائے گا، سلیمانؑ کے سامنے جس چیونٹی نے گفتگو کی تھی کہ ''یَا أَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاکِنَکُمْ'' وہ چیونٹی بھی جنت میں جائے گی۔ وہ ہدہد پرندہ جو بلقیس کے پاس حضرت سلیمان کا مکتوب لے کر گیا تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے۔ حضرت صالحؑ کو ایک اونٹنی ملی تھی جو اتنا دودھ دیتی تھی کہ پوری قوم سیراب ہوجاتی تھی، اور اسی میں اس قوم کی آزمائش تھی، وہ بھی جنت میں جائے گی۔ نبی علیہ السلام کی وہ اونٹنی جس پر آپ ﷺ سوار ہوئے اور وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دروازے پر آکر بیٹھ گئی۔ اور عزیرؑ کا گدھا جس کا قرآن میں تذکرہ بھی ہے۔ اور اصحاب کہف کا کتا بھی جنت میں جائے گا۔ اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ جب اصحاب کہف جارہے تھے تو جب یہ شروع میں ساتھ لگا تو انھوں نے اس کو بھگانے کی کوشش کی مگر وہ ساتھ ساتھ رہا، اس کتے کو بھی جنت ملے۔

اب جب مفسرین نے تفسیر میں یہ بات لکھ دی تو غور کرنے کی بات ہے کہ قیامت کے دن گائے جب دیکھے گی کہ میں تو جارہی ہوں جنت میں، اور یہ حضرت انسان جو میرا مالک تھا یہ جارہا ہے جہنم میں، تو گائے کہے گی کہ میں نے ہی تو دودھ دے کے تمہیں پالا تھا اور تمہارے گوشت کی خاطر میں نے ذبح ہونے سے بھی انکار نہ کیا، میں تو ایک جانور ہوکر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی، تو کیسا میرا مالک تھا کہ تو اپنے مالک کو راضی نہ کرسکا، مچھلی کہے گی کہ دیکھو میں تو زندہ بھی حاضر تھی، مردہ بھی حاضر تھی، کہ مچھلی کو حلال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ حلال ہی ہوتی ہے تو میں نے تو اپنے مالک کو راضی کرلیا، مجھے دسترخوان پہ کباب بنا کر رکھنے والے چبا چبا کر کھانے والے! کتنی حسرت کی بات کہ تو اپنے مالک کو راضی نہ کرسکا۔ مینڈھا بھی کہے گا کہ میرے گلے پہ چھری پھرتی تھی اور میں کوئی رکاوٹ نہیں کرتا تھا، آج میں جنت جارہا ہوں، تو انسان

ہو کے جہنم گیا۔ بچھڑا بھی کہے گا، حتی کہ چیونٹی بھی کہے گی کہ دیکھو میری جسامت اتنی تھی کہ تم اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیتے تھے، تمہیں پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور تمہاری میرے اوپر نظر نہیں پڑتی تھی، اتنی چھوٹی ہو کر اگر میں نے اپنے مالک کو راضی کر لیا، اے انسان! تجھے تو اللہ نے بڑی صفات سے نوازا تھا، تو اپنے مالک کو کیوں نہ راضی کر سکا۔ ہدہد پرندہ کہے گا: میں نے اپنے رب کو راضی کیا، جنت مل گئی، اے انسان! کاش تو بھی اپنے رب کو راضی کر لیتا۔ اونٹنی کہے گی کہ دیکھو ہم نے اپنے رب کو راضی کر لیا، تم اپنے رب کو راضی نہ کر سکے۔ اور عجیب بات تو یہ کہ گدھا بھی اس دن انسان کو دیکھ کر کہے گا اے انسان! تو مجھے نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا تو مجھے گدھا کہتا تھا، میرا نام دنیا میں گالی بن گیا تھا، جس سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہتا تو اسے گدھا کہا کرتا تھا، تو جتنا بوجھ ڈالتا تھا میں نے کبھی انکار نہ کیا، میں نے گدھا ہو کے رب کو راضی کر لیا، تو نے انسان ہو کے رب کو راضی نہ کیا، تُو تو گدھے سے بھی گیا گذرا بنا۔ اور پھر کتا بھی کہے گا اے انسان! تو مجھے خشک روٹی ڈالتا تھا، میں ساری رات بیٹھ کے تیرے دروازے پہ پہرہ دیتا تھا، اور جس رب نے تجھے طرح طرح کی نعمتیں کھلائیں، تیرے لئے رات تہجد میں اٹھ کے دو رکعت نفل پڑھنی مشکل تھی، تو مجھ سے نفرت کرتا تھا، مجھے برا سمجھتا تھا، میرا نام گالی تھا، مگر دیکھ میں آج جا رہا ہوں جنت میں اور تو کہاں جا رہا ہے، ''مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ''، تمہیں جہنم میں کس چیز نے ڈالا؟ انسان کہے گا کہ میں اپنے مالک کا وفادار نہیں تھا، پھر کیا ہوگا؟ فرشتوں کو کہا جائے گا فرشتو! ''خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ'' آؤ اس کو اچھی طرح تم زنجیروں کے ساتھ باندھ دو اور پھر اس کو جہنم کے اندر تم ڈال دو۔

آج اللہ کی اتنی نعمتیں کھا کھا کر ہم اپنے جسم کو پالتے پھرتے ہیں اور روح کا ہمیں احساس نہیں کہ اس کی حالت کیا بنی ہے، اللہ تعالیٰ آج کی اس مجلس میں ہمیں اس بات کا احساس عطا فرما دے تا کہ ہم رمضان المبارک کے لئے تیار ہو جائیں، بھرپور عبادت کے ساتھ اس مہینے کو گذاریں، تا کہ رمضان کے ساتھ ہم اپنے رب رحمان کو بھی راضی کر پائیں، اور عید کا دن تو خوشی کا ہوتا ہے، عید اسی کی ہوتی ہے جس کو محبوب کی دید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس رمضان کے بدلہ ہمیں بھی اپنی دید پانے والوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ✶

حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہریؒ
ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے!

اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں ظاہر کو بھی رکھا ہے اور باطن کو بھی، ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور باطن کا اثر ظاہر پر، انسان کے جسم کے اوپر زخم ہوجائے، چوٹ لگ جائے، تو اصل تکلیف تو جسم کے ظاہری حصہ کو پہنچتی ہے؛ لیکن انسان کا دماغ بھی اس کے اثر کو محسوس کرتا ہے، اور انسان کا دل بھی اس تکلیف سے بے سکون ہوجاتا ہے، اسی طرح ایک شخص کا جگر متأثر ہوا اور وہ زہریلے مادے کو چھاننا چھوڑ دے تو انسان کے جسم کا اوپری حصہ بھی زرد نظر آنے لگتا ہے، آنکھیں بھی زرد پڑ جاتی ہیں، اس لیے ظاہر و باطن دونوں کا درست ہونا ضروری ہے اور دونوں کی بیماریوں کا علاج ناگزیر ہے، جیسے جسمانی اعتبار سے انسان کے وجود کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اسی طرح روحانی اعتبار سے بھی ایک انسان کا ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس عمل کے لیے شریعت نے جو طریقہ متعین کردیا ہے اور جو وضع مقرر فرمادی ہے، اس کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے، جیسے: جب نماز پڑھی جاتی ہے تو رکوع وسجدہ کیا جاتا ہے، جب انسان حج کرتا ہے تو طواف وسعی کرتا ہے، ان افعال کا حق تو یہ ہے کہ ان کو کرتے ہوئے بندہ پوری طرح اپنے مالک کی طرف متوجہ رہے؛ لیکن اگر غفلت و بے توجہی کے ساتھ کوئی انسان ان افعال کو کر گذرے تب بھی ظاہر کے لحاظ سے عمل وجود میں آجاتا ہے۔ انسان کا باطن اس کا قلب ہے، اور قلب کے افعال حرکات وسکنات سے نہیں؛ بلکہ کیفیات سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے اللہ کی محبت، ایسی محبت کہ جب وہ عبادت کرے تو اسے محسوس ہو کہ گویا اس کا خدا اس کے سامنے ہے، ایسی محبت کہ خدا سے ملاقات کا بے پایاں شوق اس کے دل میں موج زن ہو، خدا کے احکام پر عمل کرنے میں اسے لطف آتا ہو، اس کا سینہ خشیت سے معمور ہو، جب وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہو تو اسے

✶ بانی ورئیس المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وجنرل سکریٹری اسلامی فقہ اکیڈمی، ہند

ایسا لگتا ہو کہ گویا آگ کے شعلوں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا ہے، اس میں بندگی کی ایسی کیفیت پیدا ہوجائے کہ اسے اپنا وجود سب سے حقیر اور کم تر محسوس ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سکھائی: ''اللّٰھم اجعَلنِی فی عَینِی صغیرًا و فی أعیُنِ الناسِ کبیرًا'' اسی سے انسان کے اندر تواضع، کسر نفسی، اللہ کے بندوں کی تعظیم وتوقیر، نرم خوئی اور نرم گفتاری کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔

شوق وخوف، اللہ کے لیے محبت ونفرت، تواضع وکسر نفسی، خلق خدا پر شفقت، اخلاص، ریاء ونمود سے دوری، سنت نبوی کی محبت، یہ قلبی کیفیات اور باطنی اعمال ہیں، جو ہر مسلمان سے مطلوب ہیں۔ انسان جب ان کیفیات سے آراستہ ہوتا ہے تو اس میں خدا کے سامنے آہ وزاری اور مخلوق کے سامنے جھکاؤ وبچھاؤ کی کیفیت اس طرح رچ بس جاتی ہے، جیسے موتیا میں اس کی خوشبو اور گلاب میں اس کی خوش رنگی، ان باطنی کیفیات کو حاصل کرنے کا نام ''احسان'' ہے اور باطن کی بیماریوں کے علاج کا نام ''تزکیہ''۔۔۔ احسان ایک مثبت تعبیر ہے، جس کا معنی نفس کو بہتر جذبات اور اعلی اخلاق سے آراستہ کرنا ہے، اور تزکیہ منفی تعبیر ہے، جس کے معنی نفس انسانی کو غلبۂ خواہشات کی آلائش سے پاک وصاف کرنا ہے، پھر جیسے قرآن مجید میں ''تشریح قرآن'' کا کوئی فنی نام نہیں رکھا گیا؛ بلکہ بعد کو اہل علم نے اس کا نام ''علم تفسیر'' رکھا، یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ومعمولات کو بعد میں اہل فن نے ''علم حدیث'' کا نام دیا، اسی طرح قرآن وحدیث سے اصلاح وتربیت کو اخذ کرکے احسان وتزکیہ کے لیے جو طریقہ وجود میں آیا، اسے ''تصوف'' کا نام دیا گیا۔

پھر ہر فن میں کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو پایۂ کمال تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ ان سے کم تر درجہ کے ناقص لوگ بھی ہوتے ہیں، اور کاملین وناقصین کے ساتھ مزوّرین یعنی دھوکہ باز بھی ہوتے ہیں، دوسرے اور تیسرے درجہ کے لوگوں کی وجہ سے اس فن کی اہمیت وضرورت اور نافعیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح تصوف بھی ہے، تصوف میں کاملین کم، ناقصین ان سے زیادہ اور یہ تیسرے قسم کے لوگ سب سے زیادہ ہوئے، جنھوں نے تصوف کو شریعت سے آزاد، اتباع سنت کے نور سے محروم اور بدعات وخرافات کا سرچشمہ بنادیا، برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ان کا خاندان اور ان کے علمی وفکری اخلاف، 'مشائخ دیوبند' کی خدمات کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے چشمۂ صافی کو بدعات وخرافات کی گندگیوں سے پاک وصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی، زیادہ تر بزرگوں نے تو عملی طور پر اس کام کو انجام دیا؛ لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فکری اور علمی جہت سے بھی تصوف کے ان اشغال کو

ثابت کیا، جو کتاب وسنت کی صراحتوں یا اشاروں سے ثابت ہے اور ان اشغال کی نفی میں بھی کسی تکلف کو راہ نہیں دیا، جو مزاجِ شریعت سے ہم آہنگ نہیں تھے، حضرت تھانویؒ کی ''التشرف'' اور بیان القرآن پر تعلیق ''مسائل السلوک'' اس کی بہترین مثال ہے، یہاں تک کہ دیوبند کے دوچوٹی کے بزرگ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس سلسلہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی آراء کو بھی خاطر میں نہیں لائے، اور جو باتیں خلافِ شریعت محسوس ہوئیں ان سے اختلاف فرمایا، تصوف کے سلسلہ میں سلسلۂ ولی اللّٰہی کی خدمات کی اہمیت اس حقیر کو خاص کر اس وقت محسوس ہوئی، جب اس کو ترکی اور مصر وشام سے تعلق رکھنے والے بعض سلاسل تصوف کے اشغال ومعمولات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حلقۂ دیوبند کی تیسری پشت میں جن مشائخ کو نہ صرف ہندوستان ؛ بلکہ پوری دنیا میں پذیرائی حاصل ہوئی اور ان کی روشنی نے مشرق سے مغرب تک کے علاقوں کو روشن اور درخشاں کر دیا، ان میں ایک حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تھے، ان کی قیام گاہ طالبین وسالکین کا مرجع ومأویٰ بنی رہتی تھی، اس حقیر کے لیے سعادت وخوش بختی کی بات ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں اس کی گنہگار آنکھوں نے اس منظر کو دیکھا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلفاء میں بڑی ہی باکمال شخصیتیں گذری ہیں، ان میں ایک ممتاز اور نہایت جلیل القدر شخصیت جن کی طرف دل کھنچتا تھا اور جن کے دیکھنے سے آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں، سیدی وسندی حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مظاہری نور اللہ مرقدہ تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ اپنے خالق کے پاس جا چکے ہیں ؛ لیکن ان کا سراپا آج بھی آنکھوں میں ایسا بسا ہوا ہے کہ گویا ان کی ذات والاصفات سامنے جلوہ فگن ہے، نہایت کھلا ہوا رنگ، دودھ کی طرح سفید داڑھی، کشادہ اور چمکتی ہوئی پیشانی، آنکھوں سے ذہانت اور خشیت جھانکتی ہوئی، ناک کھڑی، لب بہت باریک سرخی لیے ہوئے، چہرہ کا مجموعہ ایسا کہ گویا چاند کا ٹکڑا یا گلاب کا پھول، پانچ کلیوں کی کام دار ٹوپی اور اس پر سفید رومال، متوسط قدوقامت، نحیف ونزار جسم، نازک سی انگلیاں، ہتھیلیاں ایسی کہ جیسے روئی کے گالے، جسم پر سفید جبہ اور سفید شلوار، نصف پنڈلی تک، پورا سراپا سنت کے مطابق، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، گفتگو کرتے تو سادہ الفاظ میں ؛ لیکن ہر لفظ لوح وقلب پر نقش ہوتا چلا جاتا، خصائل وشمائل کے اس مجموعہ کا تصور کیجئے اور اس پر حضرت قاری صاحبؒ کا نام لکھ دیجیے۔

اس حقیر نے قاری صاحبؒ کا نام تو بہت پہلے سے سن رکھا تھا،لیکن پہلی بار زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا، جب ایک بار مولانا محمد رضوان القاسمی صاحبؒ کے ساتھ ممبئی کا سفر ہوا، جب ٹرین پر چڑھے تو معلوم ہوا کہ حضرت قاری صاحب بھی اسی ٹرین میں ہیں، اور گلبرگہ کی طرف رواں دواں ہیں، ہم لوگ اپنی کوچ سے اُترے اور ایک دو کوچ کے فاصلہ سے آگے کی کوچ میں سوار ہوئے، وہ بھی سادہ سلیپر کلاس ہی تھا، ایک یا دو رفقاء ساتھ تھے، مولانا محمد رضوان القاسمی صاحبؒ سے پہلے سے تعارف تھا، مولانا مرحوم نے میرا تعارف کرایا، اور حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی نسبت ذکر کی، بڑی محبت کا اظہار فرمایا، اور قاضی صاحبؒ سے اپنی ملاقات کا بھی تذکرہ فرمایا، تھوڑی دیر کا ساتھ رہا، اسی میں متعدد دعائیں ذکر فرمائیں، میں نے اسے نوٹ کرلیا، پہلی ہی ملاقات میں عام مزاج کے برخلاف طبیعت کو بڑی خوشی ہوئی اور بے حد محبت واحترام کا جذبہ لے کر واپس ہوا، اس کے بعد جب بھی حضرت کی حیدرآباد تشریف آوری ہوتی، کوشش ہوتی کہ مدرسہ فیض العلوم پہنچا جائے اور عصر کی نماز میں شرکت کی جائے؛ کیونکہ قاری صاحبؒ کا معمول عصر کے بعد کچھ بیان فرمانے کا تھا؛ مگر یہ ملاقات وزیارت دور دور کی ہوتی، مصافحہ سے آگے گفتگو کی نوبت نہیں آتی۔

اس حقیر کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تھا، جب آپ کی وفات ہوگئی تو طبیعت میں تقاضہ ہوا کہ کسی اور بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنا چاہئے، اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے، نگاہِ انتخاب مختلف بزرگوں کی طرف اٹھتی رہی؛ لیکن دل کا سب سے زیادہ میلان حضرت قاری صاحبؒ ہی کی طرف رہا اور اس طرح حضرت سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد حضرت کی شفقتیں بڑھتی گئیں، اکثر حیدرآباد کے سفر کے درمیان غریب خانہ پر تشریف لاتے اور ناشتہ تناول کرکے سرفراز فرماتے، اہلیہ بھی آپ سے بیعت ہوگئیں، اکثر ناشتہ کے بعد تھوڑی دیر خواتین کے لئے پردہ سے بیان بھی فرماتے، جس میں بڑی عمدہ اور خواتین کے لئے مفید نصیحتیں ہوتیں، ایک لطیفہ بھی قابل ذکر ہے، ایک دفعہ لائبریری میں پندرہ بیس مرد حضرات بھی جمع ہوگئے اور پردہ کے پیچھے اڑوس پڑوس کی خواتین بھی، قاری صاحبؒ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اس زمانے میں جو شخص غیر محرم سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرلے اور اپنی بیوی کا ''عاشق'' ہوجائے وہ اللہ کا ولی ہے، میری اہلیہ ازراہِ مزاح ہمیشہ اس جملہ کو یاد دلاتی رہتیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ ڈاکٹروں نے قاری صاحبؒ کو کہیں جانے سے منع کر دیا، اس حقیر نے درخواست کی کہ خواہش تو ہے کہ غریب خانہ پر تشریف لائیں؛ لیکن آپ کی صحت زیادہ عزیز ہے، فرمانے لگے: تھوڑی دیر کے لیے آجاؤں گا، دوستوں کے یہاں جانے سے طبیعت بحال ہوتی ہے، وفات سے کچھ عرصہ پہلے دہلی میں مولانا محمد ابراہیم مدراسی کے مکان پر مقیم تھے، میں نے قاری صاحبؒ کے حفید سعید مولانا قطب الدین سلّمہ کو فون کیا، انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے گفتگو سے منع کیا ہے، میں نے کہا: گفتگو کی زحمت نہ دیں، البتہ سلام پہنچا دیں، جب انھوں نے سلام پہنچایا اور میرے بارے میں کہا کہ وہ فون پر ہیں تو قاری صاحب نے فرمایا کہ دوستوں سے گفتگو کی ممانعت تھوڑا ہی ہے، مجھ سے بات کراؤ، پھر کئی منٹ تک گفتگو کرتے رہے؛ حالاں کہ آواز میں ضعف کی وجہ سے میرا جی چاہتا تھا کہ اب بات روک دیں؛ لیکن ادب مانع تھا، یہی حضرت قاری صاحب سے آخری گفتگو تھی، مجھ سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ صبح وشام آیت الکرسی اور معوذتین پڑھنے کا ضرور اہتمام کرو؛ کیونکہ یہ حاسدین سے حفاظت کے لیے اکسیر ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالی عزت وسربلندی اور شہرت ونا موری عطا فرماتے ہیں، وہ لوگوں کے محسود بن جاتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی اس حقیر پر شفقت ومحبت اور لطف وعنایت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مسائل شرعیہ میں اس حقیر پر بہت اعتماد فرماتے تھے، اِدھر صورت حال یہ تھی کہ حیدرآباد میں ان کے متوسلین کے درمیان کوئی نزاع ہوجاتی، ازدواجی یا کاروباری مسائل پیدا ہوتے، حلال وحرام کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہوتی تو عموماً انھیں اس حقیر سے مراجعت کا حکم دیتے؛ بلکہ دہلی، لکھنؤ، ممبئی، علی گڑھ وغیرہ سے بھی قاری صاحبؒ کے حوالے سے علماء کا بھی اور عوام کا بھی فون آتا رہتا تھا کہ فلاں مسئلہ درپیش ہے، حضرت قاری صاحب نے آپ سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، قاری صاحبؒ کے اس اعتماد واعتبار پر مجھے غیر معمولی روحانی مسرت کا احساس ہوتا تھا۔

''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' کو شروع سے قاری صاحبؒ کی دعائیں اور نیک تمنائیں حاصل رہیں، اس کی مرکزی عمارت کا افتتاح قاری صاحب ہی نے فرمایا، اور درسگاہ کا بھی، جب مرکزی عمارت کا افتتاح کیا تو صرف دو منزلیں ایک حد تک مکمل ہوئی تھیں، فرش کا کام ابھی باقی تھا، اور صورت حال یہ تھی کہ نہ پانی کی سہولت تھی، نہ لائٹ کی، نہ ٹیلی فون میسر تھا، نہ راستہ تھا، پانی ٹینکر سے منگوایا جاتا تھا، لوگوں کے افتادہ

اور نا ہموار پلاٹ سے راستہ کا کام پورا ہوتا تھا، لائٹ حیدرآباد مینجمنٹ اسکول کی طرف سے ملی تھی اور وہ بھی پورے وقت نہیں، اور وولٹیج بھی بہت کم، ٹیلیفون کی رسائی نہیں تھی، اور موبائل کانٹ ورک کام نہیں کرتا تھا، لوگ وہاں معہد کی بلڈنگ کی تعمیر کو ایک جنون خیال کرتے تھے اور شاید وہ اپنے خیال میں حق بجانب بھی تھے، یہ پوری صورت حال اس حقیر نے قاری صاحب کے سامنے رکھی، جو طلبہ اس وقت تھے۔۔۔ اور بڑی تکلیف میں تھے۔۔۔ قاری صاحبؒ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ آپ اس ادارہ کی تاریخ بنارہے ہیں اور تاریخ بنانے والوں کو صبر وثبات قدمی کے مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولین رفقاء کی کیفیت تھی، اسی لئے آپ حضرات مشقت برداشت کریں گے تو آئندہ نسلوں کے لئے اللہ تعالیٰ ساری سہولتیں پیدا فرمادیں گے، پھر بڑے الحاح کے ساتھ ادارہ کے لیے اور اس کی ایک ایک ضرورت کے لیے دعا فرمائی، اور پھر کچھ اسی طرح یہ ساری ضروریات بہتر طریقہ پر پوری ہوتی گئیں کہ میں آج بھی سوچ کر حیرت زدہ ہوں، سات آٹھ سال کے عرصہ میں چار منزلہ عمارت مکمل ہوئی، مسجد بنی، درسگاہ کی الگ عمارت تیار ہوگئی، ڈھائی ایکڑ کے قریب زمین حاصل ہوئی، بہترین سڑک بن گئی، لائٹ اور فون کی سہولت مہیا ہوگئی، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ معہد کو جو نیک نامی حاصل ہوئی، وہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے سے طلبہ یہاں تک پہنچے؛ بلکہ امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ، ماریشس، سری لنکا اور بعض دوسرے علاقوں کے طلبہ نے بھی یہاں سے استفادہ کیا، جب کہ بہتوں کو قانونی مسائل کی وجہ سے روکنا پڑا، پھر اس قلیل عرصہ میں جو علمی کام یہاں سے انجام پایا وہ ستّر پچھتّر ہزار صفحات سے کم نہیں ہیں، نیز ابھی تک فضلاء کے تیس سے زیادہ مقالات شائع ہوچکے ہیں، جن میں بعض چھ سات سو صفحات پر مشتمل ہیں اور ان کی بڑے بڑے اہل علم نے داد دی، میں ان سب کو حضرت قاری صاحبؒ کی دعاؤں کا اثر سمجھتا ہوں۔

جب بھی اس حقیر نے معہد کے لیے دعوت دی، قاری صاحبؒ نے قبول فرمایا، بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ڈاکٹر نے بات کرنے سے منع کر دیا تھا، اس لیے میں نے درخواست کی کہ صرف دعا فرمادیجئے اور اساتذہ آپ سے مصافحہ کرلیں؛ لیکن قاری صاحبؒ جب معہد پہنچے تو آدھ گھنٹہ سے بھی زیادہ خطاب فرمایا اور اساتذہ کے علاوہ طلبہ کو بھی مصافحہ کی سعادت بخشی، معہد کے کئی اساتذہ بھی قاری صاحبؒ سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو میں قاری صاحبؒ کو فون کرتا اور دعا کی درخواست کرتا، بین

الاقوامی قرآن مجید سمینار کے موقع سے دعا کی درخواست کی، اور قاری صاحبؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور ایک دعا بتا کر اس کے اہتمام کی بھی تلقین کی، بحمد اللہ یہ سمینار بڑی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا۔

قاری صاحبؒ سے جب اس حقیر نے بیعت ہونے کی درخواست کی تو یہ بھی عرض کر دیا کہ تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کا مشغلہ رہتا ہے، اور کچھ ملی کاموں میں بھی ہاتھ بٹانا پڑتا ہے؛ اس لئے زیادہ وقت اذکار ونوافل میں نہیں لگا پاتا، قاری صاحب نے فرمایا کہ میں زیادہ مشغول تو نہیں تھا؛ لیکن کمزور تھا؛ اس لئے حضرت رائے پوریؒ نے مجھے حسب سہولت معمولات پر عمل کرنے کی رائے دی تھی، چنانچہ اس حقیر کو قاری صاحب نے کلمہ طیبہ اور اسم ذات کو پڑھنے کی اور سنتوں کی حتی المقدور پیروی کرنے کی تلقین کی، اور فرمایا کہ جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو، ذکر کی کثرت ان لوگوں سے کرائی جاتی ہے جو دنیوی کاموں میں مشغول ہوں، علماء جو درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی وغیرہ میں مشغول ہوں، ان کے لئے حسبِ سہولت اوراد کا پڑھنا کافی ہے؛ البتہ جو بھی کام کرے، اسے اخلاص کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرے۔ میں اپنی نااہلی اور کم ظرفی کی وجہ سے زیادہ استفادہ تو نہیں کر سکا؛ لیکن جب بھی قاری صاحب سے ملاقات ہوتی اور کچھ دیر ان کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع میسر آتا تو ایک نشاط سا محسوس ہوتا۔

مجھے حضرت قاری صاحبؒ سے باضابطہ پڑھنے اور زیادہ ان کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل نہیں ہو سکا؛ لیکن تھوڑا بہت جو ملاقات کا موقع میسر آیا اس میں ایک سنہرا وقت ''میل وشارم'' میں اعتکاف کا تھا، ایک ہی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، وہ بھی چند روز کے لئے، اس دوران قاری صاحبؒ کا مجاہدہ دیکھ کر حیرت ہوئی، نقاہت اس قدر کہ اٹھنا بیٹھنا دشوار، آواز پر بھی ضعف کا اثر؛ لیکن پوری تراویح کھڑے ہو کر ادا فرماتے، تراویح کے بعد بیان فرماتے، اور اس میں علم ومعرفت کے ایسے نکات آجاتے جو کتابوں میں نظر نہیں آتے، الفاظ سادہ، لب ولہجہ دھیما؛ لیکن ایسا لگتا تھا کہ ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اترا جا رہا ہے، بار بار آنکھیں آنسوؤں سے وضو کرتیں، اللہ کی محبت بڑھتی، اور اتباع سنت کا شوق کروٹیں لیتا، اس درمیان اس حقیر کے ساتھ حضرت کی خاص شفقتیں تھیں، قاری صاحبؒ نے منتظمین سے فرمایا کہ میرا انتظام مدرسہ کے کسی کمرہ میں کر دیا جائے؛ کیونکہ مسجد میں بہت زیادہ اژدحام ہے اور ان کا اعتکاف اعتکاف نفل ہے، مسجد میں دو معتکف حجرے کی شکل میں بنے ہوئے تھے، ایک میں قاری صاحب تھے اور ایک میں پروفیسر

نادر صاحب (علی گڑھ) اور مولانا محمد ابراہیم افریقی، کھانے اور سحری کا خصوصی انتظام قاری صاحبؒ کے حجرہ میں ہوتا تھا، اس موقع پر قاری صاحب اپنے ان دور رفقاء کے ساتھ اس حقیر کو بھی یاد فرمالیتے، جس دن واپس ہوا اس دن اس حقیر کو سو روپے بطور ہدیہ کے عنایت فرمائے اور اپنا واقعہ ذکر فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ میں رک جانا چاہتے تھے؛ مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں تو یہاں مرنے کے لئے آ گیا ہوں، پیارے! تم لوگ ہندوستان جاؤ اور وہاں کام کرو، وہاں کام کا موقع بھی ہے اور کام کی ضرورت بھی ہے، پھر مجھے رخصت کرتے ہوئے سو ریال دئے، اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے اور قرض جتنا چاہو لے لو، میں نے کہا کہ یہ ہدیہ میرے لیے تبرک ہے اور قرض کی ضرورت نہیں۔

قاری صاحبؒ کی شفقت وعنایت ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب بھی میری کوئی نئی تحریر شائع ہوتی اور اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا تو بڑی حوصلہ افزائی فرماتے اور دعائیہ کلمات کہتے، جب اس حقیر نے آسان اور عام فہم زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ اور حواشی کا کام شروع کیا اور اس کے لئے استخارہ کیا تو خواب میں دو بزرگوں کو دیکھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو اور حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کو، اور وہ اس طور پر کہ میں نے اپنے ہاتھ میں گُڑ کے ڈھیلے لے رکھے ہیں، میں نے اسے حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا، اور انھوں نے میرے ہاتھ سے لے کر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی طرف بڑھا دیا، اسے میں نے فالِ نیک سمجھا کہ حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کا اس کو لینا انشاء اللہ اس کی قبولیت کا اشارہ ہے، اور قاری طیب صاحبؒ کا ان کے ہاتھ سے قبول فرمانا گویا علمی اور فکری اعتبار سے اس کی توثیق وتائید ہے، خدا کرے اس کی یہی تاویل ہو، اور اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کام کو مکمل کرائیں، قاری صاحب سے جب اس کا ذکر کیا تو فرمایا: انشاء اللہ ترجمہ مقبول ہوگا۔

قاری صاحبؒ کی بہت سی باتیں وہ ہیں، جو قلب وذہن کو متاثر کرتی تھیں؛ لیکن میرے تجربہ میں جو باتیں آئیں، ان کا تذکرہ مناسب محسوس ہوتا ہے، قاری صاحبؒ کا سب سے اہم وصف تواضع اور بے نفسی ہے، بعض علماء ومشائخ کی زبان پر بھی — تحدیث نعمت کے طور پر — ایسے فقرے آجاتے کہ جس سے ان کی بڑائی کا اظہار ہوتا؛ لیکن قاری صاحب کے یہاں یہ بات چھو کر بھی نہیں گئی تھی، اگر کبھی کسی نے کوئی تعریف کی بات کہی تو گفتگو کا موضوع بدل دیتے یا اس خوبی کو اپنے بزرگوں کی طرف منسوب فرمادیتے،

کئی بار ایسا ہوا کہ خطاب کے بعد جب ملاقات کی تو فرمانے لگے: آپ ماشاء اللہ قضاء وافتاء کا اور تدریس کا کام کرتے ہیں، اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو یا کوئی قابل اصلاح بات ہو تو بتا دیجئے، مجھے بے حد شرمندگی ہوتی اور عرض کرتا کہ یہ ناکارہ تو آپ کی مجلس میں اپنی اصلاح اور اپنی غلطی کی اصلاح کے لئے حاضر ہوتا ہے۔

آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، تخاطب کا انداز، ہر عمل تواضع کا مظہر ہوتا، اپنے معاصرین کا ذکر بھی اس درجہ احترام کے ساتھ کرتے، جیسے اپنے اساتذہ کا کیا کرتے تھے، میں نے بارہا حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور بعض اور بزرگوں کا تذکرہ ان کی زبان سے سنا، جو عمر اور نسبت کے اعتبار سے ان کے معاصر تھے؛ بلکہ بعض ان لوگوں کا جو عزیز کے درجہ میں ہیں، جیسے حکیم کلیم اللہ صاحب (علی گڈھ)، ان سب کا تذکرہ بے حد احترام اور القاب وآداب کے ساتھ کرتے۔

اسی تواضع کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب بھی خطاب فرماتے، اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے اس کی ابتداء کرتے، آدھا ایک صفحہ پڑھ کر پھر اس کی تشریح فرماتے۔

قاری صاحبؒ کا مزاج گمنامی اور اپنے آپ کو چھپا کر رکھنے کا تھا، اس کا اندازہ آپ کے بزرگوں کو بھی تھا؛ چنانچہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو لکھا یا: ''میرے نزدیک تو ان لوگوں کی بہت قدر ہے، جو زیادہ چھپ کر رہتے ہیں، یہ صفت آپ میں پہلے ہی سے موجود ہے''۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلندی عطا فرماتے ہیں ''مَن تواضَعَ للہ رفَعَہ اللہ'' یہی کیفیت حضرت قاری صاحبؒ کی تھی کہ جتنا انھوں نے اپنے آپ کو مٹایا اور اپنے بڑوں کے سامنے اپنے آپ کو جھکایا اور بچھایا، اسی قدر اللہ نے ان کے چھوٹوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دی، اور اخیر کا زمانہ تو ایسا تھا کہ وہ اصلاح وارادت کی جہت سے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء، دانشوران اور دعوت وتبلیغ سے مربوط لوگوں کا مرجع بن گئے تھے۔

قاری صاحبؒ کا دوسرا امتیازی وصف اپنے بزرگوں سے بے حد تعلق، انتہائی درجہ کی محبت اور غیر معمولی عقیدت تھی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے تذکرے سے شاید ہی کوئی مجلس خالی ہوتی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب پرتاپ

گڈھیؒ اور حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ کے اشعار بھی کثرت سے سناتے۔

قاری صاحب کا تیسرا اہم وصف سلف صالحین کی طرح تعلق مع اللہ تھا، جب بھی کوئی شخص آتا اور اپنی مصیبت ذکر کرتا تو دعا کی تلقین فرماتے، اس حقیر سے کئی بار فرمایا کہ جب ہم لوگ ہردوئی میں تھے تو ناظم صاحب (حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ) نے پہلے ہی تحریر لکھالی تھی کہ تنخواہ کے مطالبے کا حق نہیں ہوگا، اتفاق سے اتنی تنگی ہوئی کہ کئی مہینے گذر گئے، اساتذہ کو تنخواہ نہیں مل سکی، اسی دوران شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ تشریف لائے، ہم لوگوں نے ان کے سامنے صورت حال رکھی، انھوں نے ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل'' پڑھنے کی ہدایت دی، ہم لوگوں نے پڑھنا شروع کیا، پھر اس کے بعد کبھی ایسی تنگی پیدا نہیں ہوئی، پھر قاری صاحب نے قرآن مجید کے سیاق وسباق سے اس آیت کی اہمیت سمجھائی اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ''تفہیمات الٰہیہ'' کا بھی حوالہ دیا۔

قاری صاحبؒ کی ایک اہم خصوصیت جس کا اس حقیر کو بارہا تجربہ ہوا، وہ ہے ان کا مستجاب الدعوات ہونا، عام طور پر جو دعا فرماتے، وہ قبول ہوتی، معہد کی مالی مشکلات میں بھی ہم نے اس کا تجربہ کیا، تعمیری مسائل اور دوسری ضروریات میں بھی اور بعض گھریلو تقریبات میں بھی، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوگا، میں نے بہت پہلے سستے داموں میں اپنی قدیم رہائش سے قریب ایک زمین خریدی تھی، جب معہد کا قیام عمل میں آیا اور قبا کالونی کی چڑھائی پر اس کی عمارت بنی تو خیال ہوا کہ اگر اس سے قریب کوئی زمین تعمیر کے لیے مل جاتی تو بڑا اچھا ہوتا، اس وقت ایک نشیبی زمین تھی اور سڑک بھی بنی ہوئی نہیں تھی، اس لئے بہت کم قیمت میں مل گئی، اس کی نشاندہی عزیزی مولانا محمد اشرف علی قاسمی سلمہ (استاذ معہد) نے کی تھی، بہرحال کچھ قرض لے کر میں نے وہ زمین خرید کرلی کہ کبھی سہولت ہوگی تو پہلے کی زمین فروخت کرکے یہاں پر مکان تعمیر کرلوں گا؛ لیکن بہ ظاہر ایسا موقف نہیں تھا، میری ایک کتاب ''کویت'' سے شائع ہوئی تھی، جس کی رائلٹی کے طور پر ساٹھ ستر ہزار روپئے ملے تھے، اس میں ۴۰ ہزار سے اوپر رقم بچی ہوئی تھی، جس سے بنیاد کا کام بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

میں حضرت قاری صاحبؒ کو لے کر معہد جارہا تھا، راستہ میں وہ زمین دکھائی اور عرض کیا کہ مکان بنانے کے لئے لی گئی ہے، دعا فرمائیے کہ مکان بن جائے؛ تاکہ میں مدرسہ سے قریب ہوجاؤں، قاری

صاحب نے گاڑی رکوائی، زمین کے ناہموار ہونے کے باوجود وہاں تشریف لائے، دیر تک دعا فرمائی اور بار بار کہا کہ: اے اللہ! غیبی مدد کا معاملہ فرمایئے، پھر مجھ سے کہا کہ تعمیر شروع کرادیجئے، اللہ پورا کریں گے، میں نے عرض کیا: حضرت! میرے پاس صرف چالیس پچاس ہزار روپے ہیں، اس سے تو شاید بنیاد کا کام بھی پورا نہ ہو پائے۔ قاری صاحبؒ نے فرمایا: آپ کام شروع تو کرایئے، اللہ پورا کریں گے اور وہی پورا کیا کرتے ہیں، اس بات کو انھوں نے ایک سے زائد دفعہ فرمایا، پھر جب مدرسہ سے واپسی ہوئی اور وہاں سے گذر ہوا تو پھر یہی بات فرمائی، مجھے خیال ہوا کہ اللہ کے ایک بندۂ صالح کا بار بار یہ کہنا عبث نہیں ہے، اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی؛ چنانچہ میں نے کام شروع کرادیا اور مختلف حضرات سے اس طور پر قرض کی بات کی کہ ادائیگی میں تاخیر ہوسکتی ہے؛ لیکن وہ قرض کا مطالبہ نہیں کریں گے، میں اپنی سہولت سے ادا کروں گا؛ چنانچہ اسی وعدہ کے ساتھ متعدد دوستوں نے قرض عنایت کیا، یا تعمیری سامان فراہم کیا، اور اللہ کا شکر ہے کہ چھ ماہ یا اس سے کچھ زیادہ میں مکان تیار ہوگیا، بعد کو میں نے وہ زمین فروخت کرکے، جو بہت پہلی خرید کی تھی، زیادہ تر قرض ادا کردیا اور مکان بھی میرے ارادے سے بڑھ کر راحت بخش میسر ہوگیا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور قاری صاحبؒ کی دعائے مستجاب کا اثر ہے کہ مکان بھی بن گیا اور سوائے ایک قرض کے سارے قرض بھی ادا ہوگئے۔

قاری صاحب کی تواضع، سادگی اور عوامی بیان کی وجہ سے عام طور پر ان کی علمی گہرائی کی طرف ذہن نہیں جاتا، لیکن بعض اوقات بڑے علمی مضامین نہایت سادہ انداز پر آپ کے خطاب میں آجایا کرتے تھے، ایسی ہی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ فرماتے تھے: سب سے زیادہ ادب واحترام اور مباحات میں اطاعت والدین کی ہے؛ کیونکہ والدین کی اطاعت کا حکم قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور ہے، اس کے بعد اساتذہ کا درجہ ہے؛ جیسے والدین انسان کی جسمانی نشوونما کا ذریعہ ہیں، اسی طرح اساتذہ معنوی اور ذہنی نشوونما کرتے ہیں، اس کے بعد درجہ شیخ کا ہے؛ لیکن آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے، لوگ سب سے زیادہ تعظیم اور اطاعت شیخ کی کرتے ہیں، اس سے کم اساتذہ کی، اور سب سے کم والدین کی۔

ایک بار خواتین سے خطاب کرتے ہوئے تسبیح فاطمی کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امور خانہ داری کو انجام دینے کی مشقت اور تعب کا ذکر فرمایا تھا، اور حضور نے اس کے مقابلہ

میں سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کی تسبیحات سکھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر خواتین گھر کے کام کاج سے تھک گئی ہوں اور سوتے وقت ان تسبیحات کو پڑھ لیں تو انشاء اللہ وہ راحت وآرام محسوس کریں گی، اور آخرت میں تو اجر ہوگا ہی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نکتہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہ پڑھا تھا اور نہ سنا تھا۔

یہ بات بار بار فرماتے کہ تصوف ''شریعت کی اطاعت، سنت کی اتباع اور معاملات کی درستگی'' کا نام ہے، تصوف کے بعض اشغال جن کا صراحتاً قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ملتا، ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کی حیثیت انتظام وتدبیر کی ہے؛ جیسے دینی تعلیم کی اہمیت ثابت ہے؛ لیکن مدارس کا مروجہ نظام تجربہ اور تدبیر پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی حاضری اور گفتگو کا ذکر فرماتے اور کہتے کہ جب ان حضرات نے شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے دریافت کیا کہ آپ کے یہاں جو ذکر کی مجلس ہوتی ہے، اس کی کیا اصل ہے؟ تو انھوں نے پہلوتہی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ بڑے بڑے کام کر رہے ہیں، یہ اتنی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے میں نے ان کی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، پھر مولانا نعمانی نے بار بار اپنے تردد کا اظہار کیا تو فرمایا کہ یہ بطور علاج وتدبیر کے ہے اور علاج کا تعلق تجربہ سے ہوتا ہے۔

اگرچہ حضرت قاری صاحبؒ کا تصنیف وتالیف سے زیادہ شغف نہیں تھا؛ بلکہ انھوں نے تدریس واصلاح کے ذریعہ خدمت انجام دی؛ لیکن آپ کے ملفوظات ''کلماتِ صدق وعدل'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں جو مولانا احمد علی صاحب اور مولانا محمد وسیم صاحب کے مرتب کیے ہوئے ہیں، یہ بڑے ہی چشم کشا اور دل کو چھونے والے ملفوظات ہیں، ایک دفعہ کتاب اٹھائیے تو جی چاہتا ہے کہ پوری کتاب پڑھ جائیے، اس حقیر نے کئی بار اس مجموعہ کا مطالعہ کیا اور اس طور پر کہ جیسے ایک پیاسا تپش کے ماحول میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے بار بار پانی پیتا ہے!

قاری صاحبؒ کا دعوت واصلاح میں بھی اپنا رنگ تھا، میٹھے بول، نرم لب ولہجہ اور مخاطب کے احترام کی پوری رعایت کے ساتھ اصلاح کی کوشش، اس کی کئی مثالیں میری نظر سے گذریں، دو ایسے حضرات جن میں سے ایک داڑھی نہیں رکھتے تھے اور ایک کی داڑھی بہت چھوٹی اور خشخشی تھی، میرے ملنے والوں میں تھے، یہ میرے ساتھ الگ الگ ملاقاتوں میں حضرت قاری صاحبؒ سے ملے، قاری صاحب

نے بڑی محبت کے ساتھ ایک دو جملوں میں نصیحت فرمائی اور انھیں دعائیں بھی دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دن سے انھوں نے داڑھی رکھنا اور بڑھانا شروع کر دیا، نہ بار بار ٹوکنے کی نوبت آئی، نہ غصہ کرنے اور برہم ہونے کی۔

ایک بڑے صاحب ثروت شخص تھے، جن کے یہاں اچھا خاصا عملہ کام کیا کرتا تھا؛ مگر داڑھی نہیں رکھتے تھے، بعض بزرگوں نے انہیں اس گناہ سے منع کیا اور نہی عن المنکر میں کسی قدر درشتی پیدا ہوگئی، جو بعض اوقات مطلوب ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اتفاق سے بعد میں حضرت قاری صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے، اتباع سنت پر خطاب فرماتے ہوئے داڑھی کی اہمیت اور داڑھی نہ رکھنے کی وعید کو بیان فرمایا اور ذکر کیا کہ اس کا تعلق قانون سے زیادہ محبت سے ہے، آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز محبوب ہوجاتی ہے؛ چونکہ مجمع میں دونوں طرح کے لوگ موجود تھے، اس لئے فرمایا: لیکن داڑھی رکھنے والے داڑھی نہ رکھنے والوں کو حقیر نہ سمجھیں؛ کیونکہ انجام معلوم نہیں، پھر مثال دی کہ جب ہندوستان آزاد ہوا اور فرقہ وارانہ جنون اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو بہت سے داڑھی والوں نے حالات سے ڈر کر داڑھیاں منڈالیں کہ کہیں قتل کر دیا جاؤں، اور بہت سے ڈاڑھی نہ رکھنے والوں نے یہ سوچ کر داڑھی رکھ لی کہ جب مرنا ہی ہے تو مسلمانوں کی صورت پر مریں گے، تو دیکھیے داڑھی نہ رکھنے والے انجام کے اعتبار سے ڈاڑھی رکھنے والوں سے بہتر ثابت ہوئے؛ اس لیے ہوسکتا ہے کہ آج آپ کا کوئی بھائی داڑھی رکھے ہوئے نہ ہو؛ لیکن انجام کار وہ دین پر آجائے اور ایک شخص آج ڈاڑھی رکھے ہوئے ہے؛ لیکن ہدایت کے بعد گمراہی میں مبتلا ہوجائے، اس لیے کسی بھی مسلمان کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، قاری صاحب کے اس دردمندانہ خطاب کا ان پر ایسا اثر پڑا کہ وہ اپنے تمام عملہ کے ساتھ مجلس کے بعد حاضر ہوئے، توبہ کی اور عزم کیا کہ آئندہ ہم سب سنت کے مطابق داڑھی رکھا کریں گے۔

''میل وشارم'' میں ایک صاحب آئے، انہیں سورۂ یٰسین یاد نہیں تھی، قاری صاحب نے انہیں اس کی تلقین فرمائی، اور پھر اپنی زبان سے انہیں بسم اللہ کے بعد ''یٰسین والقرآن الحکیم'' پڑھایا اور جب انھوں نے زبانی سنایا تو فرمایا کہ آپ ماشاء اللہ دو آیتوں کے حافظ ہوگئے، کیا عجب کہ حفظ قرآن کے اجر میں آپ بھی شامل ہوجائیں، آپ اسی طرح روزانہ ایک ایک دو دو آیتیں یاد کرتے چلے جائیں۔۔۔ قاری صاحبؒ کا یہ محبت آمیز لب ولہجہ اور دردمندانہ اسلوب دل کو موم بنا دیتا تھا۔

یہ نرم خوئی تو اپنی جگہ؛ لیکن جہاں ضرورت سختی اور درشتی کی ہوتی، وہاں نرم روی کو راہ نہیں دیتے تھے، ایک بڑے عالم کے صاحبزادے کا نکاح تھا، لڑکی والوں کا قاری صاحب سے ارادت کا تعلق تھا، نکاح مدرسہ فیض العلوم کی مسجد میں تھا اور قاری صاحب سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ نکاح پڑھائیں؛ لیکن معلوم ہوا کہ لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا انتظام ہے، قاری صاحب کو یہ بات بہت گراں گذری اور آپ نے نکاح نہیں پڑھایا، ایک دوسرے عالم — جن کو بیرونِ ریاست سے حیدرآباد آنے کی دعوت دی گئی تھی۔۔۔ انھوں نے خطاب کیا اور خطبہ دیا، نکاح میں، میں بھی شریک تھا، عصر کے بعد نکاح ہوا اور مغرب کے بعد میں قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت تک قاری صاحب پر اس کی ناراضگی قائم تھی، فرمایا کہ علماء بھی ایسی باتوں کو رواج دیں گے اور سنت کے خلاف عمل کریں گے تو عوام کی اصلاح کیسے ہوگی؟ پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا نکاح کے موقع سے لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ثابت ہے؟ میں نے کہنا چاہا کہ مصنف عبدالرزاق میں روایت موجود ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کا اہتمام فرمایا تھا؛ لیکن قاری صاحب پر اس وقت ایک جلال کی کیفیت تھی، اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا، اس لئے مجھے زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی، میں نے صرف اتنا عرض کیا کہ اس طرح کی رسم بنالینا مناسب نہیں، اور خاص کر علماء اور خواص کو تو اس سے بچنا ہی چاہئے۔

قاری صاحب کا سن پیدائش ۱۹۲۶ء ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ کرامتیہ جونپور میں حاصل کی، ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، اور متوسطات سے دورۂ حدیث شریف تک یہیں سے کسبِ فیض کیا، ۱۳۶۳ھ میں فارغ ہوئے اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مشورہ سے ہردوئی میں تدریسی خدمت میں مصروف ہوگئے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مظفر حسین تھا، جو اگرچہ عالم دین نہیں تھے؛ لیکن پابند صوم وصلوٰۃ تھے، زمانہ طالب علمی ہی میں شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اصلاحی رشتہ قائم فرمایا، ۲۸ رمضان المبارک جمعہ کے دن عصر کی اذان کے بعد ۱۳۸۵ھ میں انھوں نے قاری صاحب کو اپنی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا، تقریباً ۴۰ سال مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی سے بحیثیت صدر مدرس وابستہ رہے اور حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے حسبِ حکم ضرورت کے مطابق اس کی شاخوں میں تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دئے، خاص کر مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد میں زیادہ دنوں قیام ہوتا تھا؛ اسی لئے حیدرآباد سے بڑا تعلق تھا، ہر سال

کئی بار یہاں ورود مسعود ہوتا اور ان دنوں لوگ کھنچے کھنچے فیض العلوم کی طرف آتے اور آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے، حیدرآباد میں آپ کے تلامذہ اور متوسلین کی بڑی تعداد ہے، اس لئے اہل شہر سے خاص انس تھا اور معلوم ہوا کہ ممبئی کے آخری سفر میں بھی حیدرآباد آنا چاہتے تھے۔

جیسے حضرت قاری صاحب اپنے بزرگوں سے بے حد محبت رکھتے تھے، اسی طرح وہ خود بھی اپنے بزرگوں کے محبوب اور منظور نظر تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ بے حد شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اور بہت سی دفعہ اپنے کمرے میں سلاتے تھے، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنا خصوصی جبہ قاری صاحب کو عنایت فرمایا اور آپ کے بارے میں بڑے بلند کلمات کہا کرتے تھے، انھوں نے ایک خط میں قاری صاحب کو لکھا ہے کہ: ''میرے لئے اعتکاف میں آپ جیسے لوگوں کا آجانا ہی موجب کامیابی اور مجمع کے لئے خیر وبرکت ہے''، ایک خط میں لکھتے ہیں: ''یہ سیاہ کار آپ کی محبت کو اپنے لیے ذخیرۂ آخرت اور وسیلۂ نجات سمجھتا ہے''، ایک موقع پر لکھتے ہیں: ''تم جیسے مخلصوں کی آمد کو یہ ناکارہ اپنے لئے موجب سعادت سمجھتا ہے''۔ ایک خط میں لکھا: ''آپ کو تشریف لانے کے لئے اجازت کی بھی ضرورت نہیں، ''البیت بیتکم'' جب چاہیں شوق سے تشریف لاویں، آپ کی آمد میرے لئے موجب مسرت اور فرحت؛ بلکہ موجب عزت ہے''۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمائی ہے اس سے بہت سے مجاز بیعت محروم ہیں۔ حضرت مولانا منور حسین صاحبؒ نے قاری صاحبؒ کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ آپ پر مجھے رشک آتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آپ سے بے حد محبت بھی فرماتے اور بڑا اکرام بھی کرتے، اور اوقات کی سخت پابندی کے باوجود آپ کو کسی بھی وقت آنے کی اجازت تھی۔

انسان کی زندگی جیسی گذرتی ہے اس کا خاتمہ بھی اسی طرح ہوتا ہے، قاری صاحبؒ خاص طور پر ہر دعا میں حسن خاتمہ کی دعا بھی شامل رکھتے؛ چنانچہ خاتمہ بھی ویسا ہی ہوا، جس شب وفات ہوئی اس روز بھی معمول کے مطابق عشاء کی نماز پڑھی، تہجد کے وقت اٹھے، ضعف کا غلبہ؛ لیکن طبیعت میں نشاط تھا، اس لئے لیٹے لیٹے ذکر کرتے رہے۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی، تو دو دفعہ بیعت کے الفاظ دہرائے ''توبہ کی میں نے

کفر سے ،شرک سے ،فسق سے اور ہر گناہ سے'' چونکہ قاری صاحب بیمار کو کثرت سے ''یا سلام'' پڑھنے کی تلقین کرتے تھے،اس لئے حاضرین نے'' یا سلام'' پڑھنے کی درخواست کی ،انھیں اندازہ نہیں تھا کہ اب دم آخری آچکا ہے ،چنانچہ قاری صاحب ''یا سلام'' پڑھنے لگے ،''سلام'' اللہ کا نام ہے ،اس میں دنیا کی مصیبتوں سے سلامتی بھی شامل ہے اور موت کے بعد کی ابتلاؤں سے حفاظت کی التجا بھی ،اسی کلمہ پر وفات ہوئی اور آخر وقت تک ہوش وحواس اپنے قابو میں رہے، جو لوگ اس وقت موجود تھے ان کا تاثر ہے کہ وفات کے چند منٹ پہلے سے آپ کی خوابگاہ میں نہایت تیز خوشبو محسوس کی گئی ، جو وفات کے بعد بھی کچھ لمحات تک باقی رہی ، یہ بہ قول ان حضرات کے ایسی خوشبو تھی کہ اس جیسی خوشبو کبھی سونگھنے میں نہیں آئی ، یہ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴ رفروری ۲۰۱۲ء کی تاریخ اور جمعہ کی شب تھی ، بہر حال جو شخص اپنی پوری زندگی ہدایت واصلاح کی خوشبو بکھیرتا رہا، وہ اپنے سفر آخرت کے وقت خوشبو بہ داماں تھا،اور اس کی زبان پر اپنے خالق ومالک کا نام نامی تھا، جمعہ کی شب ،استجابتِ دعا کا وقت ،توبہ اور اللہ کے نام پر وفات ،اس سے بڑھ کر خوش بختی اور حسن خاتمہ کیا ہوگا ،اللہ ہم لوگوں کو بھی اس سے سرفراز فرمائیں ۔

وفات کے دس منٹ کے اندر ہی اس حقیر کو اطلاع ملی ؛ حالانکہ اگر کوشش کی جاتی تو بذریعہ ہوائی جہاز ممبئی پہنچ کر نماز جنازہ میں شرکت کی جاسکتی تھی ،مگر دل ودماغ پر ایسا 23

تاثر پیدا ہوا کہ کچھ سوجھ بھی نہیں پایا، البتہ ایک گنہگار بندہ اپنے بزرگ ومربی کے لیے مالک وپروردگار سے جو دعائیں کرسکتا تھا، وہ کی گئیں، بار بار یہ احساس ستاتا تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو قاری صاحب کو فون کرکے دعا کی درخواست کیا کرتا تھا،ان کی دعا اور حوصلہ افزائی کے کلمات سے ایک نیا حوصلہ ملتا تھا،اب جب کوئی مرحلہ سامنے آئے گا تو کس سے دعا کی درخواست کروں گا،اللہ تعالی قاری صاحب کے درجات کو بلند فرمائے اور مجھ جیسے کوتاہ عمل اور کوتاہ علم شخص کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔آمین یارب العالمین

(بہ شکریہ: اشرف الجرائد، حیدرآباد)

☆☆☆

مولانا محمد عبدالقوی صاحب ✷

استاذی الشفیق الکریم
حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کچھ یادیں، کچھ تأثرات

اب سن ون تو بالکل یاد نہیں مگر منظر آنکھوں میں اب بھی گھوم رہا ہے کہ اب سے تقریباً پچاس سال قبل جب کہ اس عاجز کی عمر پانچ سات سال کی رہی ہوگی، مدرسہ فیض العلوم میں حضرت محی السنۃؒ مدرسہ کا جائزہ لینے کے لئے تشریف لانے والے تھے، گھر میں مدرسہ میں سب طرف اسی کے چرچے تھے، کھانے کا نظم چونکہ ہمارے گھر میں ہوا کرتا تھا اس کی بھی بڑی زور شور سے تیاریاں چل رہی تھیں، ایک عید اور جشن کا سماں تھا، والدہ نے ایک دن مجھے تیار کر کے اور ادب سلیقہ کی تلقین کر کے حضرت محی السنۃؒ کی مجلس میں بھیج دیا، جو بالکل بازو کے کمرہ میں چل رہی تھی، گفتگو کی تفصیل تو زیادہ محفوظ نہیں، جو منظر محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک بڑا سا ہال جس میں بالکل نیا اور خوبصورت فرش کیا گیا تھا، درمیان میں ایک چارپائی جس پر ایک دم سفید بستر بچھا ہوا تھا، اس کے ایک طرف ٹیبل فیان رکھا ہوا تھا (جو میرے لئے بالکل نئی چیز تھی) اس چارپائی کے سامنے سفید غلاف چڑھے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر ایک نہایت ہی حسین وجمیل اور بارعب شخصیت تشریف فرما تھی، یہ حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحبؒ تھے، ان کے سامنے چند معتبر لوگوں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، میں چونکہ کم سن تھا اور کم سنوں کو گویا باریابی کا اذنِ عام یا حقِ لازم ہوتا ہے، اس لیے اس

✷ ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد۔ اس عاجز نے اس مضمون میں شخصی وخانگی تعلقات کا ہی تذکرہ کیا ہے، مستقلاً حضرت کی ذات وصفات سے بحث نہیں کی ہے، میں اس کا اہل بھی نہیں، البتہ ان باتوں اور یادوں میں سے بھی انشاء اللہ ان کی شخصیت جھلکے گی اور ان کی بہت سی صفات وخصوصیات نظر آئیں گی، منشا بھی یہی ہے۔

شاہی دربار میں براہ راست پہنچ گیا تھا، ان حاضرین مجلس میں شہ نشین کے سرہانے ایک گورے چٹے ضخیم و عظیم اور بلند قامت بزرگ تشریف فرما تھے، پائنتی کی طرف بالکل لاغر ونحیف مگر انتہائی حسین وجمیل شخصیت دوزانو اور بالکل سکڑ کر اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے بادشاہ کے دربار میں کوئی مجرم، پہلی شخصیت حضرت حبیب الحسن خان شیروانیؒ کی تھی[1] اور دوسری حضرت قاری صاحبؒ کی۔ مجھے اس دوسرے سراپا میں بڑی کشش وجاذبیت محسوس ہوئی، انہیں کے قریب بیٹھ کر مزید قریب ہونے کی کوشش کرتا رہا، اس چھوٹی سی عمر میں اظہار محبت کا طریقہ کیا جانتا، بس نزدیک جا کر پیروں کو چھوتا اور انگوٹھے کو دبا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، انھوں نے پہلی دفعہ تو پلٹ کر دیکھا، پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور اسی طرح مجسمۂ تہذیب وادب بنے بیٹھے رہے، خیر! میں تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے سرک لیا، پھر کیا ہوا معلوم نہیں، حضرت محی السنہ کے چند روزہ اس قیام میں حضرت قاری صاحب بہت کم نظر آئے، ممکن ہے امتحانات میں مصروف کر دئے گئے ہوں، البتہ روانگی کے دن کا ایک اور واقعہ یاد رہ گیا، وہ یہ کہ مدرسہ والوں نے کوئی رقم حضرت محی السنہؒ کو پیش کی (کرایہ وغیرہ ہوگا) حضرت نے اسے اپنی صدری میں اندرونی جیب میں

---

[1] حضرت شروانی صاحبؒ (۱۹۱۴۔ ۱۹۷۳) افغانی النسل رئیس ڈھولنہ تھے، یہ علاقہ ان کی موروثی ریاست تھا، انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بزرگوں سے بڑا تعلق تھا، حضرت تھانویؒ کے چار خلفاء سے یکے بعد دیگرے تربیت پائی تھی، ان میں سے شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی، حضرت محی السنہؒ ہردوئی سے بہت قریبی تعلق تھا، اس عاجز نے بس اسی سفر حیدرآباد میں پہلی اور آخری دفعہ انہیں دیکھا، کم سنی کے باوجود ایک خدمت کا تین دن تک موقع ملا، حضرت شروانی صاحبؒ ان دنوں صرف چنے کے آٹے کی ایک عدد روٹی کھاتے تھے، یہ آٹا ان کے ساتھ ایک ڈبہ میں تھا، ایک روٹی کی بقدر آٹا خود اپنے ہاتھ سے نکال کر دیا کرتے تھے، والدہ پلیٹ دے کر بھیجتیں تو میں لے کر آتا تھا، اس خدمت کا فائدہ یہ ہوا کہ جس دن واپسی ہو رہی تھی اور سب لوگ موٹر میں بیٹھ چکے تھے، میں مجمع کے بیچ میں جھانک کر یہ منظر دیکھ رہا تھا، اتنے میں حضرت کی نظر پڑ گئی اور موٹر سے اتر کر قریب آئے، بہت لحیم شحیم بلند وبالا قد کے آدمی تھے، مجھے اٹھا کر سینے سے لگایا، محبت کے کلمات فرمائے اور دعائیں دیں، **الحمدللہ ولا فخر**۔ کافی عرصہ کے بعد جب میں فیض العلوم میں پڑھاتا تھا، استاذ محترم حضرت حافظ اسحاق صاحب مدظلہ اپنے ساتھ ڈھولنہ لے گئے تھے، وہاں حضرت شروانی صاحبؒ کی حویلی، مسجد اور ان کی ریاست کے باقیات دیکھنے اور تفصیلات جاننے نیز حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ کا لکھا ہوا رسالہ ''حیات شروانی'' پڑھنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ ان کا مقام ومرتبہ اہل اللہ کی نظر میں کتنا بلند تھا۔ اس عاجز کو اپنی قسمت پر ناز ہوتا ہے مگر اس میں اپنا کوئی کمال نہیں، حق تعالیٰ کا فضل وکرم اور میرے والد ماجدؒ کی دین کی خاطر کی جانے والی قربانیوں کا صدقہ ہے کہ آنکھوں کو بڑے بڑے اللہ والے اس وقت سے دکھتے رہے جب سے کہ یہ آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں، کاش کہ اتباع کی توفیق بھی ہو جائے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

رکھا، پھر وہ صدری حضرت قاری صاحب کو یہ کہتے ہوئے دی کہ ''قاری صاحب! آپ اس پر نظر رکھیں'' پھر مسکراتے ہوئے حضرت شیروانی صاحب سے فرمایا: ''ہم قاری صاحب پر نظر رکھیں گے'' سب لوگ ہنس پڑے، مجھے ان جملوں کی حقیقت وحلاوت بہت بعد میں ملی۔

یہ تھی حضرت قاری صاحبؒ کی اپنی یادداشت کے مطابق سب سے پہلی زیارت وملاقات کی دھندلی سی جھلک، اور آخری ملاقات اس وقت مقدر ہوئی جب کہ آپ اسی سال حج سے قبل حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے، صحت انتہائی ناساز اور ضعف ونقاہت قابل رحم حد تک تھی، معلوم ہوا کہ ملاقات سے بھی منتظمین نے ممانعت کر رکھی ہے، طبیعت ملنے کو مضطرب تھی، ادھر میرا سفر بھی تھا، فجر کے بعد ہمت کر کے قیام گاہ پہنچا، کوئی بھی نہ تھا، بھائی سعید احمد صاحب انجینئر چائے پلا رہے تھے، سلام کر کے خاموش بیٹھ گیا، حضرت آنکھیں بند کر کے چائے نوش فرما رہے تھے، سعید بھائی نے زور سے نام لے کر اطلاع دی تو متوجہ ہوئے، آنکھ کھول کر دیکھا، آواز نہیں نکل پا رہی تھی، چائے کی پیالی جو ہاتھ میں تھی وہ میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا ''یہ آپ پی لیجئے'' میں نے فوراً ہاتھ بڑھا کے لے لیا اور پینا شروع کر دیا، بہت ہی نحیف و ناتواں آواز میں فرمایا ''مولانا قاسم نانوتویؒ ایک گھنٹہ پہلے سے نماز کی تیاری فرماتے تھے، آخر کچھ تو کرنا پڑتا ہوگا، آج ہم نماز کا اہتمام نہیں کرتے'' ایک دو باتیں اور فرمائیں جو سمجھ میں نہ آسکیں، بے جوڑ سی تھیں، پھر خود ہی فرمایا ''بول بھی نہیں پا رہے ہیں، بول بھی نہیں پا رہے ہیں، ضعف بہت ہو گیا ہے'' میں نے عرض کیا حضرت! آرام فرمائیے، آپ کی زیارت بھی بہت کافی ہے، کہا اچھی بات ہے، پھر دعائیں دیتے ہوئے رخصت فرمایا ''آپ بہت کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ حاسدوں سے حفاظت فرمائے اور آپ کی مدد فرمائے'' اور بھی چند کلمات فرمائے جو آواز کی پستی کی وجہ سے سنائی نہیں دیئے لیکن یہ دعائیں کیا کم نعمت تھیں؟ ایک تو تبرکِ حسی یعنی پس خوردہ عطا فرمایا، دوسرے اپنی مقبول و مستجاب دعاؤں سے سرفراز فرمایا، جس کی گذارش کی بھی اس پیرانہ سالی اور ناتوانی کی حالت میں مجھے تو ہمت نہ تھی، طبیعت باغ باغ اور قویٰ مضبوط ہو گئے، سچ عرض کرتا ہوں کہ وہ دن یوم العید کی طرح گذرا، سعید بھائی خاص مدرسہ آکر مجھے ان دعاؤں پر مبارک باد دے گئے۔ **فالحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔**

حضرت قاری صاحبؒ سے اس عاجز کی وہ پہلی ملاقات تھی تو یہ آخری ملاقات، اس کے بعد نہ اس مبارک سراپا کو دیکھ سکا اور نہ ہی وہ بابرکت آواز سن سکا، ان دونوں ملاقاتوں کے درمیان تقریباً نصف صدی پر محیط

عرصہ ہے ،جس میں ان کی نوازشوں،مہربانیوں،تعلیم وتربیت ،تنبیہ وتادیب ،خفگی وخوشنودی کااوراپنی غفلتوں اورناقدریوں کاایک لمباسلسلہ ہے جس کے تذکرہ کوفرصت اوریکسوئی یاپھر برکتِ وقت وسلیقۂ ضبط کی دولت چاہئے ،جوشامت اعمال سے مجھے میسرنہیں ہیں،پھران کی صفات عالیہ اورمقامات رفیعہ پرتومقربین بارگاہ اوراولیاءآگاہ ہی کلام کرسکتے ہیں،میں ذیل میں چندبیتے ہوئے واقعات کے تذکرہ پراکتفا کرتاہوں.

● جیسا کہ میں نے عرض کیاپہلی زیارت توبہت کم سنی میں ہوئی تھی،اس کے بعد سے برابرہوتی رہی،جب میں مدرسہ میں پڑھنے لگاتوتقریباًہرسال ہی حضرت قاری صاحب امتحان کے لئے تشریف لاتے تھے،حفظ شروع ہونے کے بعدکئی مرتبہ میں نے بھی حضرت کوامتحان دیا،امتحان بہت ادب سے لیتے تھے، ایک زانوبیٹھے ہوتے،ایک پیرکھڑاہوتا،گھٹنے کے اوپرقرآن مجیدکوسہارادے کربہت خشوع وخضوع اور غایت احترام سےصفحات پلٹاتے اورمکمل تجویدکی رعایت کے ساتھ کوئی آیت پڑھ کرسوال فرماتے۔ایک دفعہ پہلی منزل کے امتحان میں پہلے پارے کاسوال ’’فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ ‘‘ سے،دوسرے پارے کا ’’يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ‘‘ سے ،تیسرے پارے کایادنہیں ،چوتھے پارے کا’’يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُم ‘‘ سے کیاتھا،پوراصفحہ سنتے تھے،طالب علم دوربیٹھاہوتاتھا،پورے امتحان میں نظراٹھاکے اس کی طرف ایک دفعہ بھی نہیں دیکھتے تھے،بغیراس کی طرف دیکھے ہی سوالات فرماتے ،نتیجہ لکھ لیتے اورروانہ کردیتے ،کم سن اورنوعمر بچوں سے یہ غایت احتیاط تمام اولیاءاللہ کی شان ہے،حضرت قاری صاحبؒ تویوں بھی بہت ہی باحیاءاورشرمیلی طبیعت کے حامل تھے،اس میں معلمینِ مکاتب ومدارس کے لئے بڑی عبرت ہے۔

● جس سال میراحفظ قرآن مکمل ہوامدرسہ فیض العلوم میں اسی سال شعبۂ عالمیت کاپہلی دفعہ آغاز ہوا اورخوش نصیبی یہ کہ اس شعبہ کے لئے حضرت محی السنۃؒ نے حضرت قاری صاحب کاعارضی تبادلہ فرمادیاتھا،دارقدیم میں مدرسہ کے قدیم گیٹ سے متصل ایک چھوٹے سے حجرہ میں حضرت کاقیام اوراس سے متصل ایک بڑے حجرہ میں عربی سال اول کی جماعت ہواکرتی تھی ،حمدباری ،فارسی زبان کاقاعدہ ،عربی زبان کا قاعدہ،عربی صفوۃ المصادروغیرہ سب حضرت قاری صاحبؒ ہی پڑھایاکرتے تھے،میں بارہاعرض کرتارہتاہوں کہ وہ پڑھاتے کیاتھے گویاگھول کے پلادیتے تھے،سبق سناتے وقت طالب علم ذرارکتاتوآگے کاجملہ خودہی بول دیتے تھے، ان کوہرکتاب ازبرتھی،اب یہ ان کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے کہ ان ہی کی مددسے یہ سنایاہواسبق بالکل پختہ اورحافظہ میں محفوظ ہوجاتاتھا،میں نے بارہااس کاتجربہ کیا،دیگرساتھی بھی یہی محسوس کرتے تھے۔

● کھانے کا انتظام اس قیام کے دوران ہمارے گھر ہی میں تھا، کھانا کھلانے کی خدمت کا موقع ملتا رہتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ کی شروع ہی سے بہت کم غذا تھی، اس زمانے میں جب قویٰ مضبوط اور صحت بہت اچھی تھی تب بھی مختصر سا کھانا کھاتے تھے جو تعجب انگیز تھا، کوئی فرمائش اور خواہش نہیں تھی، البتہ ایک دفعہ جمعہ کے دن مجھ سے پوچھا آج کیا دن ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: **الیوم یوم الجمعة**، اس کے بعد فرمایا: جمعہ کے دن گوشت پک جایا کرے تو اچھا ہے، سبحان اللہ سال بھر میں صرف ایک فرمائش، وہ بھی دین کی نسبت سے، یعنی خواہشات نفسانیہ کا کوئی دخل عمل ہی نہیں، جو کام تھا جو عادت تھی اور جو پسند تھی وہ سب دین اور سنت کی نسبت سے تھی، للّٰہیت کے جذبہ سے تھی، کیا ٹھکانا ہے اس اخلاص وللّٰہیت کا؟

● قیام حیدرآباد کے دوران اتوار کے دن تبلیغی جماعت کے ہفتہ واری اجتماع میں شرکت کے لئے مرکز تشریف لے جانے کا اہتمام تھا، حضرت رائپوریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی نسبت سے آپ کو اس کام سے اور نظام الدین کے اکابر کو قاری صاحب سے خاص تعلق تھا، آخر زمانے میں تو مرکز نظام الدین اور مرکز حیدرآباد کے بہت سے اکابر حضرت قاری صاحبؒ ہی سے روحانی طور پر وابستہ ہو گئے تھے، مجھے یاد ہے کہ اس قیام حیدرآباد کے زمانے میں تبلیغی جماعت کا ایک بڑا اجتماع بارکس میں ہوا تھا، حضرت قاری صاحب بھی اس میں تشریف لے گئے، مرکز کے اکابر سے بھی ملاقات ہوئی اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ انہیں اپنے ساتھ اسٹیج پر لے گئے، اپنے بیان میں حضرت کا تعارف کراتے ہوئے ان کے قیام حیدرآباد کو غنیمت سمجھنے اور فائدہ اٹھانے کی برسرِ عام تاکید فرمائی تھی، حالانکہ حضرت قاری صاحبؒ جماعتوں میں باقاعدہ وقت لگاتے بھی نہیں تھے۔ اس سے جہاں حضرت قاری صاحبؒ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے وہیں اکابرینِ تبلیغ کے اعتدالِ مسلک ومشرب کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

● حضرت قاری صاحبؒ علمائے کرام کا بہت احترام فرمایا کرتے تھے، دارالعلوم، مظاہر علوم، اور ندوۃ العلماء کے اساتذہ، اسی طرح مشائخِ دیوبند سے وابستہ حضرات سے بڑی محبت ہی نہیں ان کی انتہائی تکریم بھی فرمایا کرتے تھے، یہی معاملہ ان علماء اور بزرگوں کی جانب سے حضرت کے ساتھ ہوتا تھا۔ حیدرآباد میں علماء کی تشریف آوری ہوتی تھی تو حضرت قاری صاحب میرے والد ماجد اور بعض دیگر لوگوں کو لے کر ان کے بیان میں شرکت اور ملاقات کے پروگرام بناتے تھے، انہیں اسٹیشن پر کبھی لینے کے لئے کبھی رخصت کرنے کے لئے بھی پہنچ جاتے تھے، کئی دفعہ یہ عاجز ساتھ رہا، ایک واقعہ اس سلسلہ میں یاد آ گیا جو سبق آموز

ہے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حضرت مولانا انظر شاہ صاحبؒ ان دنوں حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے اور مدرسہ کے قریب ہی نواب باقر صاحب زید مجدہٗ کے بنگلہ میں مقیم تھے، مدرسہ میں کوئی خطاب نہ ہوا تھا، چند دن بعد حضرت قاری صاحب نے اپنے کمرے میں بتلایا کہ حضرت ناظم صاحب (محی السنۃ) کا مراسلہ آیا ہے کہ مولانا کا بیان مدرسہ میں کیوں نہیں ہوا؟ الفاظ تقریباً یہ تھے:

''خارجاً مسموع ہوا ہے کہ مولانا انظر شاہ صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند حیدرآباد آئے اور نواب صاحب کے یہاں قیام رہا، تعجب ہے کہ آپ وہاں ہیں پھر بھی مولانا کا مدرسہ میں کوئی بیان نہیں ہوا''

اس مواخذہ کا حضرت قاری صاحب پر اثر رہا، اس واقعہ میں حضرت محی السنۃؒ کی وسعت ظرفی اور بالغ نظری بھی قابل توجہ ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو بزرگوں کو قریب سے زیادہ دیکھے اور مزاج کو پرکھے بغیر ہی اپنے تصور وتخلیق سے ان کے مزاج کی تعیین بلکہ اسی کی تشہیر کرنے لگتے ہیں۔

● حضرت محی السنۃؒ کے ہاں حفظِ مراتب بہت تھا، مواخذہ ومطالبہ گو ہر ایک سے کرتے تھے مگر مرتبوں کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے، یہ بہت ہی نازک کام ہوتا ہے، ایک دفعہ حضرت قاری صاحب حیدرآباد تشریف لائے اور صحت ناساز تھی، حضرت حیدرآباد میں بہت اچھے رہتے تھے، آب وہوا کو اپنے مزاج کے مطابق بتلاتے تھے، اسی نسبت سے میں نے عرض کیا: حضرت! آپ حضرت ناظم صاحب سے کہہ کر حیدرآباد ہی تبادلہ کرالیجئے، یہاں آپ کی صحت نسبتاً اچھی رہتی ہے، حضرت قاری صاحبؒ نے تکیہ کے نیچے سے ایک پوسٹ کارڈ نکالتے ہوئے فرمایا: ''میرا جی بھی یہی چاہتا ہے مگر حضرت میرے ساتھ ضابطے کا تعلق نہیں رکھتے ہیں، اگر ایسا کرتے تو میں ایک ملازم ہوں، درخواست دے دیتا اور کہیں بھی چلا جاتا، دیکھو ابھی واپسی میں کچھ تاخیر ہوگئی تو حضرت کا یہ خط آگیا ہے، خط مجھے دیا، اس میں لکھا ہوا تھا:

''مکرمی قاری صاحب زید لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں شدت سے آپ کی کمی محسوس ہو رہی ہے، آپ کب تک واپس تشریف لائیں گے؟''

والسلام ابرار الحق

خط سنانے کے بعد حضرت قاری صاحب فرمانے لگے: ''اب بتاؤ، گئے بغیر چارہ نہیں ہے، حضرت یہ کہتے کہ مزید رخصت نہیں ملے گی، تو میں بھی ضابطہ کا جواب دے سکتا تھا، مگر اب فوری ٹکٹ بنوا رہا

ہوں'' خیر! یہ تو حضرت قاری صاحبؒ اپنی باتیں ہم لوگوں سے محبت کی وجہ سے سنا دیا کرتے تھے، مگر اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے ایک دوسرے کے احترام اور حقِ مرتبہ کی رعایت میں کتنے کڑوے گھونٹ پیے ہوں گے اور کتنی تلخیوں کو چکھا ہوگا؟ اس کے باوجود حاضراً وغائباً ایک دوسرے کے خیرخواہ تھے۔ ذاتیات پر ملت کے مفاد کو مقدم رکھتے ہوئے حضرت قاری صاحبؒ کی اشرف المدارس میں تقریباً پون صدی کی خدمات طرفین کی وسعت ظرفی، عالی حوصلگی اور کمال اخلاص کے وہ تابندہ نقوش بن گئیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں۔

● اس ایک سال کے بعد حضرت قاری صاحب بھی ہردوئی واپس ہوگئے، یہاں شعبۂ عالمیت بھی بند ہوگیا اور ہم لوگوں کی ہردوئی روانگی تجویز ہوئی۔ ہردوئی پہنچ کر پھر حضرت قاری صاحب کی شاگردی نصیب ہوگئی۔ حضرت قاری صاحب عمر بھر ابتدائی جماعتوں ہی کو پڑھاتے رہے، ان کے مقام ومرتبہ اور علمی استعداد وتدریسی پختگی کے مدنظر انتہائی جماعتوں تک تدریس کے مواقع بلکہ مطالبے تھے، مگر قاری صاحب کبھی اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے، البتہ جو کچھ پڑھاتے تھے دلجمعی بلکہ دلسوزی سے پڑھاتے تھے، لگ لپٹ کے پڑھاتے تھے، طالب علم کو پڑھنا ہو یا نہ ہو، حضرت کو پڑھانا ضرور تھا، ہفتہ بھر تو پڑھاتے ہی تھے جمعہ کے دن بھی ناغہ گوارہ نہ تھا، اس دن بھی اسباق پورے کرلیتے تھے، ایک سال مدینہ منورہ میں قیام کے بعد جب واپس تشریف لائے تو روزمرہ کی گفتگو میں عربی محاورے اور عربی جملے بولتے بھی تھے، یاد بھی کراتے تھے، گنتی بھی خوب رٹاتے تھے، پھر ان کا پڑھانا نرا پڑھانا نہیں تھا وہ معلم خشک کے بجائے مربی مشفق ومہربان بھی تھے، شاگردوں کو نماز کی تاکید، اس کی پابندی کی نگرانی، سنن ونوافل کی مشق اور دیگر اخلاق حسنہ کی تاکید وتلقین لازماً ومستمراً فرمایا کرتے تھے۔

● ہردوئی میں میری صحت ناساز ہوئی تو معالج نے واپس حیدرآباد بھیج دینے کی رائے دی، حضرت قاری صاحب کا سفر حیدرآباد طے تھا، نائب ناظم صاحب نے مجھے ان کے ہمراہ کردیا، میرے پاس ایک صندوق اپنے سامان کا تھا اور ایک بستر، ایک ساتھی نے اپنا صندوق گھر پہنچانے کے لئے میرے حوالے کردیا تو میں نے بستر اس میں رکھ لیا، اس طرح دو صندوق میرے پاس ہوگئے، حضرت قاری صاحب نے رکشہ پر سامان رکھواتے وقت میرا سامان دیکھ لیا اور بہت خفا ہوئے کہ تم طالب علم ہو یا کاروباری؟ اتنا سامان طلبہ کے پاس ہوتا ہے؟[1] ہردوئی سے لکھنؤ پہنچے، لکھنؤ سے حیدرآباد، پورے راستے مختلف موقعوں اور وقفوں

سے حضرت اس مسئلہ کو اٹھاتے اور اپنے ساتھیوں کی سادگی اور بے سروسامانی کے ساتھ پڑھنے کے واقعات سناتے رہتے، یہاں تک کہ مدرسہ پہنچ کر والد ماجد سے بھی ذکر فرمایا، لیکن ان کی خفگی میں بڑی شفقت تھی، خیر خواہی، دل سوزی اور دردمندی اس قدر نمایاں تھی کہ اس دانٹ ڈپٹ میں ناگواری وگرانی تو کیا ہوتی مزہ آتا رہا، اور بڑی عبرت ونصیحت ملتی رہی، اپنی طالب علمی کے واقعات، سفر حج کی سادگی کا واقعہ وغیرہ بہت کچھ سنایا تھا۔ فرمایا: کہ مجھے طالب علمی کے زمانے میں ایک قرآن مجید خریدنے کی ضرورت ہوئی اور قیمت معلوم کی تو ایک روپیہ بتلائی گئی، میں نے اس کے لئے سودن تک مظاہر علوم کے گیٹ پر دربانی کی، فی یوم ایک پیسہ کے حساب سے انعام ملا تو اس ضرورت کی تکمیل کر سکا۔ وغیرہ۔

● والد ماجدؒ سے خاص تعلق تھا، جس وقت والد ماجدؒ کالج کی تعلیم ترک کر کے دینی تعلیم کے لئے ہردوئی پہنچے تھے، حضرت قاری صاحبؒ وہاں بحیثیت مدرس تشریف فرما تھے، والد ماجد تو نوجوان تھے ہی، حضرت قاری صاحب کا سن بھی سبزہ آغاز ہی تھا،[۲] والد ماجد پڑھنے کے ساتھ دفتر کے کام بھی کرتے تھے، نورانی قاعدہ والد صاحب کو حضرت نے ہی پڑھایا تھا، مگر والد صاحب کے طریق تدریس پر انہیں بہت اعتماد تھا، اپنے متعلقین کو سختی سے تاکید کرتے تھے کہ مولوی عبدالغنی صاحب سے قرآن مجید پڑھنا سیکھ لیں۔ ہر سفر میں کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور عطا فرماتے تھے، بیماری کے زمانے میں بھی ہر سفر میں وقت نکال کر گھر تشریف لاتے، تھوڑی دیر کے بعد رفقاء کو باہر بھیج کر بہت خلوص سے مالی تعاون فرماتے تھے۔ میری ایک بہن مطلقہ ہے اس کے بارے میں ضرور پوچھتے اور علاحدہ امداد فرمایا کرتے تھے، یہ سلسلہ والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی قائم تھا کہ ہم لوگوں کے ذریعہ والدہ اور بہن کے لئے ہر سفر میں کچھ نہ کچھ نوازش فرمادیا کرتے تھے، یہ ایک مثال ہے ورنہ ان کی خفیہ نوازشات اور اہل تعلق کی فکروں کے واقعات بے شمار ہیں، آج زبانی ہمدردی بھی ایک دوسرے کو مشکل سے مل رہی ہے، تعلق والوں کا دل وجان سے خیال رکھنا آسان کام نہیں ہے، بلند حوصلہ وبلند کردار لوگوں ہی کی شان ہوسکتی ہے۔

---

[۱] جنھوں نے مدت العمر کوئی الماری تو کیا کپڑے رکھنے کے لئے ایک صندوق بھی اپنے پاس نہ رکھا تھا، تکیے کے غلاف سے کام چلاتے تھے۔ [۲] جب تک والد ماجد کا قیام ہردوئی میں رہا، دونوں ہم نوالہ وہم پیالہ بھی تھے، گاڑھی چھنتی تھی، والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت قاری صاحب کا کھانا بوجہ گھر والے ساتھ نہ ہونے کے مطبخ سے جاری تھا، اس لئے والد ماجد اپنے گھر سے کھانا لے جا کر دونوں وقت حضرت قاری صاحب کے ہمراہ ہی کھایا کرتے تھے، رات میں دس دس بجے تک محفل جمتی تھی اور سیکھنا سکھانا ہوتا رہتا تھا، والد ماجد کے ساتھ اس تعلق کا حضرتؒ نے ہمیشہ خیال رکھا۔

●والد ماجدؒ سے خانگی مسائل معلوم کرتے رہتے اور بچوں کی شادیوں کے سلسلہ میں خود بھی فکر فرماتے تھے، والد ماجد کے تذکرہ میں لکھ چکا ہوں کہ بڑی بہن کے رشتہ کا انتخاب حضرت قاری صاحبؒ نے ہی فرمایا تھا اور محض نماز کے خشوع وخضوع کی بنیاد پر فرمایا تھا، دوسری، چوتھی اور پانچویں بہن کی شادیاں بھی حضرت قاری صاحب ہی کے مشورہ اور سرپرستی اور ان کی ہدایات کے مطابق انتہائی سادگی سے سرانجام پائیں، یہ سب خیر وبرکت کے ساتھ مستقل خاندان بن گئے ہیں، صرف ایک رشتہ ہم لوگوں نے جمایا اور اہتمام سے شادی کی مگر بتقدیر الٰہی ٹوٹ گیا۔ قاری صاحبؒ نے اگرچہ جھٹ پٹ اس طرح کروادئے کہ سنبھلنے سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا مگر ان کی دعا توجہ سے سب پھل پھول رہے ہیں، ان کی دعاؤں میں بڑی برکت تھی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

●والد ماجدؒ ایک حادثہ میں زخمی ہوگئے تھے، طویل علالت کے بعد ہم لوگوں نے کام سے انہیں روک لیا تھا، حیدرآباد میں ان کا اپنا کوئی مکان نہ تھا، شروع ہی سے مدرسہ کے مکان میں رہتے تھے، اسی میں رہ رہے تھے، ظاہر ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کی مصالح کے لئے ہوتا ہے، منتظمین مدرسہ تخلیہ کرا کے کسی اور کو الاٹ کرنا چاہتے تھے، یہ تجویز مرکز ہر دوئی پہنچی، اور حضرت محی السنۃ رحمہ اللہ نے مخصوص احباب کو مشورہ کے لئے طلب کیا، ان میں حضرت قاری صاحب بھی شامل تھے، حضرت کے علاوہ دیگر حضرات نئے تھے، غالبا والد صاحب کے احوال اور قدیمی خدمات سے باخبر نہ ہوں گے۔ یہ بات حضرت قاری صاحب نے مجھ سے خود فرمائی اور میں نے بھی انتظامی معاملات کی وجہ سے اب تک کسی سے نہیں کہی، مگر حضرت قاری صاحبؒ کے مخلصانہ احسانات کے ضمن میں اب لکھدوں تو خلاف مصلحت نہیں ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ سب لوگوں نے یہی رائے دی کہ جب کام نہیں کررہے ہیں تو اصولی طور پر مکان خالی کروالینا چاہئے مگر مجھ سے رہا نہ گیا، میں اگرچہ انتظامی لائن کا آدمی نہیں اور حضرت کے سامنے رائے دینے کا مزاج بھی نہیں مگر میں نے صاف طور پر عرض کیا کہ ''حضرت! یہ کیا بات ہے؟ ایک آدمی آپ کی وفاداری میں جوانی سے بڑھاپے تک پہنچ گیا، اب کام کے قابل نہیں رہا، آپ اس کو تنخواہ نہیں دیتے تو نہ دیں مگر مرنے تک سر چھپانے کو ٹھکانہ تو دیں''، چنانچہ حضرت محی السنۃؒ نے یہی فیصلہ فرمایا، سبحان اللہ خلوص ووفا وہ بھی علی ظہر الغیب کی عجیب مثال ہے۔

●یہی نہیں کہ ایک غائبانہ حمایت پر اکتفا کرلی، اس کے بعد جب حیدرآباد تشریف لائے تو والد صاحب سے معلوم کیا کہ آپ نے جو پلاٹ خریدے تھے ان کا کیا ہوا؟ والد صاحب نے بتلایا کہ اب ان کا

ملنا مشکل ہے، بظاہر کوئی شکل نہیں ہے، یہ سن کر بہت متفکر ہو گئے، اپنے بعض متوسلین کے ذریعہ متعلقہ سوسائٹی سے رابطہ کیا، نامہ وپیام کا سلسلہ چلاتے رہے، سوسائٹی کے ذمہ دار سے خود ملے، ترغیب دی، خوشامد کی، اتنی فکر اور سعی کی کہ ہم لوگ بھی نہیں کر سکتے تھے، یہاں تک کہ اسے اس پر آمادہ کرلیا کہ پوری نہ سہی جتنی بھی جگہ دینا چاہیں دے دیں، اپنی موجودگی میں اس سے زمین نپوا کر اسی وقت باؤنڈری کا کام شروع کروادیا، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، آج والد صاحب کے ترکہ میں وہی ایک قطعۂ ارض ہے جو حضرت قاری صاحب کا رہین منت اور یادگار احسان ہے۔ یہ بھی ایک مثال ہے، ورنہ اپنے متعلقین کی پریشانیاں دور کرنے کے سلسلہ میں ان سے جو تدبیر ہوسکتی اور جس کے ذریعہ کام نکل سکتا انتہائی فکر واہتمام کے ساتھ اس کی مدد میں لگ جاتے تھے۔ ابھی انتقال سے چند دن قبل ہی کی بات ہے کہ برادرم مفتی سہیل احمد صاحب حیدرآباد میں کئی دن کے لئے مقیم تھے، اور جگہ جگہ نظر آرہے تھے، میں نے وجہ دریافت کی تو یہی وجہ بتلائی کہ حضرت قاری صاحب کے حکم سے یہاں ٹھہرا ہوا ہوں، فلاں صاحب کا ایک غیر مسلم کے ساتھ کورٹ میں کیس چل رہا ہے، حضرت چاہتے ہیں کہ مصالحت کے ذریعہ یہ مسئلہ حل ہوجائے۔ اور غالباً ہو بھی گیا تھا، خدا جانے ان کے اعمال نامہ میں ایسی کتنی حسنات ہوں گی اور کتنے ہاتھ ان کے بعد ان کے لئے دن رات اٹھے ہوئے ہوں گے، دیکھنے میں ایک بوریہ نشین وعزلت گزیں فقیر اور کارنامے وہ جو اچھے اچھے سماجی خدمت گذاروں سے بھی نہ ہوسکیں۔

● توجہات اور احسانات کا یہ سلسلہ والد ماجدؒ کے علاوہ ان کی اولاد (ہم لوگوں) پر بھی ہمیشہ قائم رہا، جب بھی ملاقات ہوتی بہت شفقت ومحبت ہی نہیں اکرام کا معاملہ فرماتے تھے، ہر دوئی حاضری ہوتی اور آپ موجود ہوتے تو کمرہ پر بلا کر کچھ نہ کچھ کھلاتے پلاتے، کبھی موقع نہ ہوتا رقم دے دیتے کہ راستہ میں کچھ کھالینا، کوئی اور موجود ہوتا تو اپنی شاگردی کے حوالے سے تعارف کراتے اور خدمات کا بھی ذکر کرتے، ہمارا غائبانہ ذکر ہوتا تو بھی فرماتے تھے کہ ہمارے شاگرد ہیں، کام کررہے ہیں وغیرہ، یہ سب اصلاً والد ماجدؒ سے ان کے دیرینہ اور محبانہ تعلقات کا ثمرہ تھا، ورنہ ہماری کیا حیثیت؟

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں تنہا تھا، قدیم مسجد میں نماز ادا کرنے کے ارادے سے کوشش کر کے اندر پہنچا، حضرت قاری صاحب کی اکثر نمازیں مسجد نبوی کے سب سے قدیم حصے میں ادا ہوتی تھیں، حضرت وہاں نظر آگئے تو میں قریب جا کے بیٹھ گیا، معمولات سے فارغ ہوئے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور کچھ نصیحت

فرماتے رہے، پھر معلوم کیا کہ پہلی دفعہ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: ایک دفعہ اور صرف چند گھنٹوں کے لئے آسکا تھا، یہ سن کر فرمایا: اچھی بات ہے، میں دکھاتا ہوں مسجد، پھر اس قدیم مسجد کے ایک ایک گوشہ میں لے گئے اور اس کی تاریخی نسبتیں بتلاتے رہے، ستونوں کا تعارف کرایا، اس سے متعلق واقعات سنائے، دروازوں کے پاس لے گئے اور اس سے متعلق معلومات دیں، صفّے پر لے گئے اس کا تعارف کرایا پھر ہاتھ پکڑ کر باہر لائے، پوچھا: احد پہاڑ جانتے ہو؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی، فرمایا: یہ بالکل سامنے جو پہاڑ نظر آرہا ہے یہی احد ہے۔[1]

پھر حضرت اپنی قیام گاہ لے گئے جو غالباً دارالخیر کے نام سے مولانا خیر محمدؒ کی موقوفہ عمارت تھی، اس کے بالائی حصے پر ٹین کا ایک بڑا شیڈ بنا ہوا تھا، جس میں ایک طرف مطبخ اور اس سے متعلق اسباب رکھے ہوئے تھے، دوسری جانب بہت بڑی قالین بچھی ہوئی تھی، درمیان میں ایک چارپائی پر بہت ہی معمر بزرگ لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت نے بہت ہی احترام سے ان سے ملاقات کی، پھر مجھے بھی ملوایا اور ادب سے نیچے بیٹھ گئے، میں بھی بیٹھ گیا، فوراً دستر خوان لگا اور قسم قسم کے کھجور اور مختلف النوع اطعمہ چن دئے گئے، لوگ آتے تھے، سلام کرتے اور دستر خوان سے مستفید ہوکر چلے جاتے، کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی، بلکہ یوں لگا کہ بعض لوگ بس اسی قدر کام کے لئے آتے ہیں، حضرت قاری صاحب نے بتلایا کہ یہ شب وروز کا سلسلہ ہے، میں نے حضرت قاری صاحب سے چپکے سے پوچھا: ان کے پاس آتا کہاں سے ہے؟ حضرت نے زور سے ان بزرگ سے دریافت کیا: یہ ہمارے شاگرد پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے یہاں یہ سب آتا کہاں سے ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھے بھی پتہ نہیں، بس اتنا دیکھ رہا ہوں اِدھر سے آرہا ہے اور اُدھر سے جارہا ہے۔ یہ بزرگ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے خاص خادم تھے، حضرت قاری صاحب نے بعد میں ان کے بارے میں بہت تفصیل سے بتلایا، اور بہت اونچے مقامات کا تذکرہ کیا، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مجھے صرف یہ بتلانا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کا اپنے ایک معمولی شاگرد اور خادم کو لے کر اس قدر نوازش اور احسانات فرمانا، اتنا وقت لگانا اور اس قدر گھومنا کس محبت اور شفقت کا پتہ دیتا ہے۔● نکاحوں میں سادگی پر بہت زور دیتے تھے، جو ان سے مشورہ کرتا اس کے لئے نکاح اتنا ہی آسان ہوتا جتنا عہد صحابہ میں آسان

---

[1] اس وقت تک اصل میں مدینہ منورہ کے مبارک اور عاشقانہ ماحول پر مصنوعی سلفیت کا مکروہ غبار نہیں چھایا تھا، یہ سب زیارتیں بہت اطمینان سے ہورہی تھیں، اللہ پاک پھر ایک دفعہ مدینے منورہ میں خشکیت کا خاتمہ کرکے عشق ووفا کا ماحول عام فرماوے۔ آمین

تھا، ان کو بھنک بھی لگ جاتی کہ رشتہ تو طرفین کو بلوا کر نہ صرف طے کراتے بلکہ اکثر نکاح بھی کروادیتے تھے ،اپنی بہنوں کے سلسلہ میں تجربے تو تھے ہی، ابھی چند دن قبل کا واقعہ ہے کہ میرے بہنوئی اپنی بچی کے سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کے لیے آئے، ساتھ میں لڑکے کے والد کو بھی لائے، وہ بھی میرے تعلق والے تھے ،مشورہ میں یہ طے پایا کہ رشتہ مناسب ہی رہے گا، میرے بہنوئی گھر گئے ،والد صاحب سے ذکر کیا، انھوں نے کہا حضرت قاری صاحب موجود ہیں ،ان سے بھی مشورہ کرلو، میرے سامنے بات آئی تو میں نے کہا: لڑکے والے کچھ اعذار کی وجہ سے تھوڑا وقت چاہتے ہیں اور آپ کو بھی ابھی جلدی نہیں ہے ،یا تو یہ امور طے پانے کے بعد حضرت سے ذکر کرو یا ابھی کرنا ہے تو پھر فوراً نکاح کرنے کے لئے تیار ہوکر جاؤ، انھوں نے کہا کہ صرف دعا کی درخواست کے لئے جانا ہے، ابھی فوراً تو نکاح مشکل ہے۔ یہاں عصر بعد آئے تھے وہاں مغرب بعد پہنچے، عشاء کے بعد یہ خبر لے کر آئے کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ میں پرسوں صبح جارہا ہوں، کل عصر بعد نکاح ہوجائے گا، مزید کچھ کہنے سننے کا موقع نہ تھا، یہ لوگ کوئی بھی عذر بتلاتے ،حضرت اس کا حل فرمادیتے ،اگلے دن نکاح ہوہی گیا، اس طرح خدا جانے اپنی عمر میں انھوں نے کتنے نکاح کروادیئے اور کتنے والدین کا بوجھ ان کی بدولت ہلکا ہوگیا۔

نکاحوں میں اس قدر سادگی کے اہتمام سے بہت فوائد ہیں، حقیقت میں آج اس سلسلہ کے جتنے مسائل ہیں اور اس کے لئے لکھا جارہا ہے ان سب کے مقابلہ میں نکاح میں جلدی کرنا، کم خرچ کرنا اور تکلفات سے بچنا کامیاب حل ہے۔ بہت عرصہ قبل کی بات ہے، جب حضرت کا قیام حیدرآباد میں تھا، ان کے ایک شاگرد نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی، حضرت نے شرط رکھی کہ بارات نہیں جائے گی، لڑکی کے گھر صرف پانچ آدمی جائیں گے، کوئی دعوت اور تکلف نہیں ہوگا، مطالبات نہیں ہوں گے، ولیمہ سنت کے مطابق سادگی سے کیا جائے گا تو میں نکاح پڑھاؤں گا، مخلص لوگ تھے، سب مان گئے، حالانکہ ان کے والد محکمہ پولس کے افسر تھے، نکاح اس طرح ہوا، بعد میں معلوم ہوا کہ اس ہفتہ اس محلے میں سات لڑکیوں کے اور نکاح ہوگئے، لوگوں نے کہا جب اتنے بڑے آفیسر اس سادگی کے ساتھ شادی کرسکتے ہیں تو ہمارے پاس تو ہے بھی نہیں، ہم کیوں اپنی بچیوں کی عمر خراب کریں۔؟

●اس سلسلہ میں حضرت کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، اپنی دی ہوئی ہدایات دوسرے لفظوں میں شرعی احکامات کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارہ نہ تھی، بعد میں کوئی خلاف ورزی معلوم ہوجاتی تو نظر انداز نہ فرماتے، بلکہ سخت تنبیہ کرکے اس قدر خفا ہوتے کہ عمر بھر یاد رہ جائے، دوسروں کے واقعات کو چھوڑ کر

یہاں بھی شخصی واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں، دوسری بہن کا نکاح تھا، حضرت ہی کی سرپرستی میں، دولہے کے ساتھ اس کے دو چار گھر والوں کو کھانا کھلا کر دلہن کو رخصت کر دینا طے پایا تھا، اس زمانے میں میں پرانے شہر کی ایک مسجد میں امامت کرتا تھا، حضرت قاری صاحب کی زیارت اور بیان میں شرکت کرانے کی غرض سے مسجد کمیٹی والوں کو مدعو کرلیا تھا، انھوں نے ازراہ خلوص اصرار کیا کہ ہم تو امام صاحب کے یہاں کھانا کھا کر ہی جائیں گے، ایسا موقع تھوڑا ہی ملے گا، میں نے بھی بعض مصالح کی بنیاد پر مناسب یہی سمجھا کہ ان لوگوں کی بات رکھ لی جائے اور کھانے پر بلالیا۔ حضرت کو علم ہوا تو کمرہ پر مجھے اور برادر محترم مفتی صاحب کو بلا کر اس قدر خفگی وناراضگی کا اظہار فرمایا کہ بیان سے باہر ہے، میں نے کچھ کہنا بھی چاہا تو حضرت نے فرمایا یہ سب کچھ نہیں، تم لوگوں کو ہدایت کی خلاف ورزی کی جرأت ہی کیسے ہوئی؟ اس وقت واپسی کا سفر بھی درپیش تھا، ہم نے معافی مانگی، منت سماجت کی کہ درگذر فرمادیجئے، آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی، بعد میں خط وکتابت کے ذریعہ معاملہ صاف ہوا۔ عرض کرنا یہ ہے کہ اپنوں کا حضرتؒ حق سمجھتے تھے کہ ان سے غلطی منوا کر اس کی اصلاح کیے بغیر نہ چھوڑیں، چشم پوشی ونظر اندازی آسان کام ہے، تربیت مشکل کام ہے، آج شخصی حق تلفیوں پر ناراض ہونے والے تو بہت ملیں گے، مگر دینی غیرت اور اسلامی حمیت میں اللہ کے لئے خفا ہونے والے کم سے کم ہوں گے۔ **فالی اللہ المشتکی**

● حضرت قاری صاحبؒ کی سب سے ممتاز صفت تواضع وعبدیت کی صفت ہے۔ ہر ایک کی زبان وقلم پر آپ اس کا ذکر ضرور پائیں گے۔ تواضع کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ پورے ملک میں اپنے متعلقین کی دعوت پر سفر فرماتے رہتے تھے مگر اکثر تنہا سفر ہوتا تھا، نہ سامان کی بہتات نہ خادم کی ضرورت، جہاں جاتے انھیں کوئی رخصت کر کے چلا جاتا تھا اور اگلی منزل پر کوئی لینے آجاتا تھا، آخر زمانے میں البتہ خدام ومتعلقین کی طرف سے زبردستی کوشش کی جاتی رہی کہ کوئی نہ کوئی ساتھ ہو، اسباب کی زیادتی سے بہت گھبراتے تھے، ان کے کمرہ میں بھی سامان بس ایک مسافر خانہ سے زیادہ نہ تھا، یا تو کتابیں تھیں، یا پھر انتہائی ضرورت کے اسباب ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں نے مدینہ منورہ میں مسجد سے آتے ہوئے ایک دکان پر متوسط قسم کا رومال خریدا جو عمدہ پیکنگ میں تھا، ان دنوں ناشتہ حضرت کے ساتھ ہی ہو رہا تھا، ناشتے کے بعد ہدیہ پیش کیا تو لے لیا مگر دیکھ کر فرمایا: یہ بہت قیمتی معلوم ہوتا ہے، میں اس قابل کہاں؟ آپ کے لئے ہی اچھا رہے گا۔ میں نے عرض کیا: آپ کی شان کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں ہے، قبول فرمالیں، تو دعائیں دیں اور سرہانے رکھ لیا۔ پورے خاندان پر اپنے ہزاروں احسانات کے باوجود بھی ایک چھوٹی سی خدمت کا مستحق اپنے کو نہ سمجھا اور

بڑی مشکل سے گوارہ فرمایا، یہ کس قدر عجیب شان ہے کہ ہزاروں بندگان خدا جس کو دیکھنے، ملنے اور قدم چومنے کو ترستے ہوں وہ ایک معمولی سے رومال کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ میں اس کے قابل کہاں؟ اور یہ چیز حضرتؒ میں تکلف وتصنع کے قبیل سے ہرگز نہ تھی، ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔

● طبعی طور پر یکسوئی پسند تھے، الجھنوں اور بکھیڑوں سے بہت گھبراتے اور دور رہتے تھے، ابتداءً انہیں حضرت محی السنہؒ نے مدرسہ اشرف المدارس میں انتظامی ذمہ داری سونپی تھی، چند ہی دن میں انھوں نے محسوس کرلیا کہ یہ ذمہ داری نبھنے والی نہیں، ایک اہل اور موزوں شخصیت حضرت مولانا بشارت علی صاحبؒ کو آمادہ کرکے حضرت ہردوئیؒ کی خدمت میں پیش کیا، اپنی ذمہ داری انھیں دلوا کر خود یکسو ہوگئے اور تدریس وتعلیم کو اپنا مشغلہ بنالیا، کبھی حضرت نائب صاحبؒ ان سے کسی انتظامی الجھن کی شکایت کرتے یا مشورہ فرماتے تو حضرت قاری صاحب فرمادیا کرتے تھے کہ یہ جھمیلے میرے بس کے ہوتے اور سنبھل سکتے تو آپ کے حوالے کیوں کرتا، آج عہدوں اور مناصب کے لئے دینی اداروں اور معتبر حلقوں تک میں کیا کچھ ہو رہا ہے کسی سے مخفی نہیں، یہ کیسے باخدا لوگ تھے اور کیسی دیانت دار ہستیاں کہ ملے ہوئے مناصب کو خوش اسلوبی اور خندہ دلی سے خود ہی دوسروں کے حوالے کررہے ہیں، واقعی حضرتؒ کو نہ مال ومنال کی خواہش تھی، نہ جاہ وجلال کی ہوس، عمر بھر ''کُنْ فی الدنیا کأنک غریب'' کے مصداق بنے رہے۔

● درمیان میں ایک سال جب کہ ان کے شیخ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تھے، حضرت قاری صاحبؒ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے، وہاں کے بعض مقامی رئیس لوگ حضرت سے کافی متاثر تھے، کسی نے حضرت کے لئے اقامے کی سہولت دلوانے کی پیشکش کی تو حضرت بہت خوش ہوگئے اور اپنے شیخ کی معیت میں رہ جانے، اس سے بھی بڑھ کر اپنے محبوب نبی کے محبوب دیار میں قیام کرلینے کا ارادہ فرمالیا، ایک عام مسلمان بھی اس سعادت کو چھوڑ نہیں سکتا تھا، کسی عاشق رسول کو کب گوارہ ہوتا؟ مگر جب حضرت شیخ الحدیثؒ کو علم ہوا اور انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ ''پیارے! میں تو یہاں مرنے کو آیا ہوں، تمہارے تو ہندوستانی مسلمان زیادہ مستحق ہیں، وہیں جاکر دین کی خدمت میں لگ جاؤ'' تو شیخ کے حکم کو اپنی تمنا پر ترجیح دیتے ہوئے بخوشی واپس ہوکر حسب سابق مدرسہ اشرف المدارس میں رجوع بکار ہوگئے، ان کی یہ بے نفسی اور اطاعتِ شیخ بھی کیسی سبق آموز ہے!۔

● آپ کی طبیعت میں غیر معمولی شرم وحیا تھی، کہا جاسکتا ہے کہ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ باحیا تھے، کسی کی طرف نظر بھر کے دیکھتے بھی نہیں تھے، نہانے دھونے حتی کہ لباس کے بدلنے میں بھی بے حد

احتیاط برتتے تھے، وہ عربی جبہ پہنتے تھے، اس کے ساتھ کمرہ میں تہبند باندھے ہوتے اور باہر نکلتے وقت پاجامہ استعمال کرتے تھے، عام طور سے ایسے وقت ایک طرف ہوکر پاجامہ پہن ہی لیا جاتا ہے مگر تہبند باندھتے یا پاجامہ پہنتے وقت بھی بے چین رہتے، غایت حیا کی وجہ سے دوسرے کمرے میں یا پردہ کے پیچھے چلے جاتے تھے، ایسا موقع نہ ملتا تو طبیعت پر غیر معمولی گرانی وشرمندگی کے آثار نظر آتے تھے، حد یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوسروں سے غسل وکفن میں بے احتیاطی کا اندیشہ بھی انہیں شرمندہ کرتا تھا، معلوم ہوا کہ مولوی قطب الدین صاحب کو اس سلسلہ میں تاکید فرمائی تھی کہ میں عمر بھر بہت حیا سے رہا ہوں، غسل وکفن میں اس کا خاص خیال رکھنا۔

● حضرت قاری صاحبؒ سے اس عاجز کی طالب علمی کے زمانے میں خط وکتابت بھی ہوتی رہتی تھی، مگر ان خطوط کی حفاظت کا اہتمام نہیں رہا، اپنے کاغذات میں چند خطوط قدیم وجدید مل گئے۔ حضرتؒ کے بعض جوابات ہدیۂ ناظرین کرکے اپنا قلم روکتا ہوں تاکہ حضرت والا کی ذرہ نوازیوں اور مقام عبدیت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

(۱) چوتھی بہن کا نکاح حضرت والا کی نگرانی میں بڑی عجلت میں طے پاکر بہت ہی سادگی سے تکمیل بھی ہوگیا تھا، اور حضرت والا اس کے معاً بعد ہردوئی روانہ ہوگئے تھے، میں نے بذریعہ خط حضرت کا شکریہ ادا کیا، نیز اپنی آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں دعا کی درخواست بھی کی، دونوں باتوں کے سلسلہ میں جواب ارقام فرمایا جو غایت تواضع وشفقت کا عکاس ہے۔

''عزیزم سلّمہ زید رشدہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط کل موصول ہوا، پڑھ کر اور خیریت معلوم کرکے سکون ہوا، آپ نے انتہائی محبت سے یاد کیا، فجزاک اللہ خیرا، یہ ناکارہ تو کچھ نہیں ہے، آپ کے اور والدین کے حسن ظن اور خلوص کی وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے بہانہ بنا کر اس عقد کی صورت کردی، ورنہ مجھے بھی خود حیرت ہوئی کہ اس قدر سادگی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ لڑکی کے خاندان والے بھی حیرت میں رہ گئے کہ اتنی عجلت سہولت اور اتباع سنت کے ساتھ ہوگیا۔ بہرحال مالک کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں ہے، آپ کے آپریشن کا حال معلوم ہوا دل وجان سے دعا گو ہوں کہ حق تعالیٰ راحت وسکون سے سارے کام کرادے۔ آمین، جب آپریشن کے لئے جائیں تو پہلے دو رکعت نماز پڑھ کے دعا کرلیں اور یا اللہ، یا رحمان، یا رحیم کا ورد رکھیں، انشاء اللہ قلب میں چین وسکون محسوس ہوگا''

(۲) ایک اور بہن کے نکاح میں حضرت نے کچھ دیر بیان فرمایا تھا، میں نے اس کو نوٹ کر کے حضرت والا سے ماہنامہ کے ذریعہ اشاعتِ عام کی اجازت چاہی اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا، اس کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ان کی فنائیت نفس اور عاجزی وانکسار کا شاہکار ہے۔

''عزیزم سلّمہ زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اور والد صاحب نے انتہائی محبت وخلوص سے یاد کیا ہے جس کا یہ ناکارہ مستحق نہ تھا، مزید برآں آپ نے اس ناکارہ کے بیان کو شائع کرنے کی اجازت چاہی ہے تو عرض ہے اس ناکارہ کا بیان اشاعت کے لائق نہیں، اس لئے کہ کوئی ربط بھی نہیں ہوتا، کہیں کچھ کہیں کچھ ادھر ادھر کی باتیں سنا دیتا ہوں، ایسا (بے ترتیب) مضمون آپ کے رسالہ کے مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، غور کرلیں، محترم والد صاحب سے مشورہ کرلیں، جہاں تک اجازت کا تعلق ہے اگر نافع ہو تو اجازت کی ضرورت نہیں ہے، باقی میرے جیسے انسان کے بیانات کیا اشاعت کے قابل ہوسکتے ہیں، اس لئے کہ نہ علم ہے نہ عمل تو کسی پر کیا اثر ہوگا؟''

(۳) حضرت کی اہلیہ محترمہ کے وصال پر تعزیتی عریضہ ارسال کیا تو جواب میں ارقام فرمایا:

''عزیزم سلّمہ زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوشتہ عنایت نامہ کل صبح موصول ہوا جو مشتمل برتعزیت تھا اور تسکینِ قلب کا باعث ہوا، فجزاک اللہ خیرا، آں عزیز نے اپنی محبت اور اخلاص سے یاد کیا اور مرحومہ کے لئے ایصال ثواب، دعائے مغفرت کا اہتمام کیا، یہ میرے اوپر بہت بڑا احسان ہے، حق تعالی آں عزیز کو دین ودنیا کی ترقیات سے مالا مال کرے، آمین۔ مدرسہ کو قائم دائم رکھے اور اخلاص سے خدمت کی توفیق دے کر فیض کو عام وتام کرے، آمیں۔ یہ ناکارہ بھی دعاؤں کا محتاج ہے، دعا کریں کہ اپنے وقت پر حسن خاتمہ کی توفیق ہو والدین سے سلام اور دعا کے لئے کہیں، میں سب کے لئے دعا گو ہوں۔''

(۴) جب اس عاجز نے دارالعلوم حیدرآباد سے رسمی طور پر نصاب کی تکمیل کرلی تھی، ان دنوں حضرت قاری صاحبؒ کی خواب میں زیارت ہوئی، حضرت شکوہ فرمارہے تھے کہ ''تم مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے؟'' احقر نے اس خواب کو اور تکمیل نصاب کی خوشخبری کو تحریر کر کے یہ عرض کیا تھا کہ میرے یہاں تک پہنچنے میں آپ کی پڑھائی ہوئی ابتدائی کتب ہی مددگار رہیں، ورنہ بعد کی تعلیم تو وقفہ وقفہ سے اور بے ڈھنگے طریقہ پر تکمیل پاتی رہی، اس شفقت واحسان کا شکریہ میں کسی طرح ادا نہیں کرسکتا، عریضہ کے آخر

میں کچھ نصیحت کی بھی درخواست کی تھی، اس کے جواب میں حضرت کی جو تحریر موصول ہوئی، ہر پڑھنے والا شرم سے پانی پانی ہوجائے گا:

''عزیزم سلّمہ زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ سب حالات آپ کی محبت وخلوص کا ثمرہ ہیں، ورنہ یہ ناکارہ تو کچھ نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں، باقی سب آپ کا حسن ظن ہے، ورنہ اپنا حال تو ظاہر ہے، بس حسن خاتمہ کے لئے اور زندگی میں اللہ کی مرضیات کی اتباع کی توفیق کے لئے دعا فرمادیں۔

اس ناکارہ نے تو جوانی اور غفلت میں آپ کو ڈانٹ ڈپٹ بہت کیا ہے، زیادتی بھی ہوئی ہوگی، اس وقت اب یاد بھی سب باتیں نہیں ہیں، البتہ یہ یاد ہے کہ روک ٹوک ضرور کرتا تھا، خدا تعالیٰ معاف کرے، آپ بھی سب درگذر کریں، دل سے دعا گو اور دعا جو ہوں۔ میں آپ کو کیا نصیحت کروں جو خود محتاجِ نصیحت ہو، باقی تعمیلاً وہ نصیحت کردیتا ہوں جو حضرت حکیم الامتؒ نے مفتی محمد شفیعؒ کو فرمائی تھی، یعنی ''انسان اپنے سفر اصلی اور وطن اصلی سے غافل نہ رہے، والد صاحب سے سلام کہیں اور دعا کی درخوست بھی۔ والسلام امیر حسن''

(۵) احقر کو علاقے میں حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ ایک سہ روزہ سفر میں شریک رہنے کا موقع ملا، اثنائے سفر جو بیانات ہوئے اس کو میں نے نوٹ کرلیا تھا، جسے مرتب کرکے ''**حسن الامیر فی الوعظ والتذکیر**'' کے نام سے شائع کیا، اس کے کچھ نسخے خدمت مبارک میں ارسال کیے تو میل وشارم کے معتکف سے یہ تحریری جواب موصول ہوا:

''عزیزم سلّمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی دعا سے پہلے سے بہتر ہے، یہ بس آپ کے حسن ظن کا ثمرہ ہے (ورنہ) میری باتیں کہاں ایسی تھیں کہ شائع کی جائیں، آپ نے جمع کرکے شائع کردیا جس کا وہم وگمان بھی مجھ کو نہ تھا، حق تعالیٰ آپ کے فیض کو عام وتام کرے، زیادہ سے زیادہ نفع مخلوق خدا کو ہو، آمین۔ خوشی ہوئی، دعا کرتا ہوں، یہاں ساڑھے بارہ سو کا مجمع ہے جو میرے پاس آتے ہیں انہیں پیش کردیتا ہوں، **جزاک اللہ خیر الجزاء**'' فقط والسلام

مختصر وقفے میں اس میں دو باتیں سمجھنے کی ہیں، ایک تو یہ کہ حضرتؒ اپنے کلام کے بجائے میرے جمع کرنے کی طرف نسبت کرکے میرے فیض کے عام وتام ہونے کی دعا فرمارہے ہیں، کیا ٹھکانا ہے اس

فنائیت کا، ایک ایک جملہ پڑھ کر شرم سے ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے زحمت کے خیال سے صرف سو نسخے بھیجے تھے، وہاں کے مجمع کا اندازہ بھی نہ تھا مخصوص لوگوں کو بھی دیتے تو نا کافی ہوتے مگر مزید ضرورت کا کوئی اشارہ کیے بغیر صرف مجمع کی تعداد رقم فرمادی، حالانکہ اس فرمائش کا انہیں پورا حق حاصل تھا مگر یہ حضرات سوال کیا شبہ سوال سے بھی کوسوں دور رہتے تھے۔

(۶) ایک دفعہ حضرت حیدرآباد دو مرتبہ تشریف لائے اور احقر دونوں موقع میں سفر پر تھا، ملاقات نہ ہوسکی، ملاقات نہیں ہوتی تو اکثر دیگر متعلقین سے پوچھ لیتے تھے کہ کہاں ہیں؟ بعد میں دو تین حضرات نے یاد فرمائی کی اطلاع مجھے دی تو میں نے ایک معذرت نامہ بذریعہ ڈاک بھیجا، حضرت والا نے جواباً ارقام فرمایا:

''عزیز محترم زید علمہ وعملہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون آپ کا پرچہ پڑھ کر خیریت وکیفیت سے آگاہ ہوا، آپ کے جملہ مقاصدِ حسنہ کے لئے دل سے دعا گو ہوں اور اپنے لئے دعا جو ہوں، آپ بالکل فکر نہ کریں، معذرت کی بھی ضرورت نہیں، میں خوش ہوں کہ دینی خدمات میں لگے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازیں اور ہر قسم کے شر وفتنہ سے حفاظت فرمائیں اور قبول فرمائیں۔ آمین والسلام امیر حسن''

جی چاہتا ہے کہ اس مضمون کا اختتام حضرت قاری صاحبؒ کے دعائیہ کلمات پر ہی کروں، وھی ھذہ:

''اے اللہ! ہمیں اپنا صحیح اور قوی تعلق نصیب فرما، اے اللہ! ہمیں حسن نیت اور حسن عمل کی توفیق نصیب فرما، اپنے اپنے وقت پر اکمل ایمان پر خاتمہ نصیب فرما، آج ہماری طبیعتوں سے ماننا نکل گیا ہے، نہ باپ کی مان رہے ہیں، نہ ماں کی مان رہے ہیں، نہ استاذ کی مان رہے ہیں، نہ پیر کی مان رہے ہیں، مان رہے ہیں تو اپنے نفس کی مان رہے ہیں، جو سب سے بڑا دشمن ہے، اے اللہ! ہمیں نفس وشطان کے مکر وفریب سے محفوظ فرما، اپنی مرضیات کی اتباع کی توفیق نصیب فرما۔

آمین برحمتک یاارحم الراحمین

(بہ شکریہ: اشرف الجرائد، حیدرآباد)

☆☆☆

جناب مولانا محمد زکریا سنبھلی ✶

''ملیالم'' میں معارف الحدیث کا ترجمہ اور کیرالا کا حالیہ سفر

کیرالا کے معروف عالم دین جناب مولانا عبدالشکور صاحب قاسمی کافی دنوں سے اصرار فرمارہے تھے کہ میں کیرالا کا سفر کروں۔لیکن اب تک میں مولانا کی دعوت کو قبول نہ کرسکا تھا۔اس بار شروع مئی میں مولانا نے بہت اصرار فرمایا اور سفر کا عنوان ایسا رکھا کہ میرے لئے انکار کی گنجائش نہ رہی۔عنوان تھا عم محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب معارف الحدیث کے ملیالم زبان میں ترجمہ کی رسم اجراء، جو مولانا عبدالشکور صاحب اور ان کے احباب کی قائم کردہ سید حسنی اکیڈمی (جو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی جانب منسوب ہے) کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

اردو داں دینی حلقہ تو معارف الحدیث کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہے۔اور الحمدللہ انگریزی میں ترجمہ ہوجانے کی وجہ سے انگریزی داں طبقہ بھی واقف ہو چکا ہے۔انگریزی کے علاوہ اور بھی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے الحمدللہ معارف الحدیث مختلف حلقوں میں بہت مقبول ہو چکی ہے۔اب مولانا عبدالشکور صاحب نے معارف الحدیث کو ملیالم زبان میں منتقل کر کے خطۂ مالیبار کے لوگوں کو بھی یہ عظیم تحفہ پہنچا دیا ہے۔اس وقت صرف پہلی دو جلدوں کا ترجمہ نہایت معیاری کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ ملیالم میں شائع ہوا ہے۔

مولانا عبدالشکور صاحب کے بارے میں پہلے بھی بہت حسن اعتقاد تھا اس سفر کے بعد اس احساس

✶ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

میں مزید اضافہ ہوا۔ الحمدللہ بہت باتوفیق شخص ہیں۔ حضرت مولانا نعمانیؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔ معارف الحدیث کے اس ترجمہ سے پہلے بھی حضرتؒ کی کئی کتابوں: ''اسلام کیا ہے''، ''قرآن آپ سے کیا کہتا ہے''، ''قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ'' اور ''انسانیت زندہ ہے'' وغیرہ کا ملیالم میں ترجمہ کرکے شائع کرچکے ہیں۔ قدیم تعلق کے باوجود مولانا نے اپنے کاموں کے بارے میں کبھی نہیں بتلایا، وہاں جاکر خود مشاہدہ سے ان کے مختلف الجہات کاموں کا علم ہوا۔ زادہ اللہ توفیقا وخیرا۔

ملیالم میں معارف الحدیث کے ترجمہ کی رسم اجراء ایک بڑے ہال میں رکھی گئی تھی، حاضرین میں علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی ایک اچھی تعداد میں موجود تھا۔ ہال کے قریب ہی مستورات کے لئے ایک مکان میں انتظام تھا۔ باہر کئی کاونٹروں پر معارف الحدیث فروخت ہورہی تھی، جو بعد میں تقریباً مجمع میں شریک پچاس فیصدی لوگوں کے ہاتھ میں نظر آرہی تھی۔ کیرالا کے لوگوں میں وقار وسلیقہ یہاں بھی اور دیگر مقامات پر جہاں اور پروگراموں میں شرکت ہوئی ہر جگہ نظر آیا اور دوسرے مقامات پر بھی لوگوں تک معارف پہچانے کا انتظام تھا اور لوگوں نے خریدی بھی تھی۔

میں اپنے ساتھ رسم اجراء کے موقع پر پڑھنے کے لئے عربی زبان میں ایک مقالہ لے گیا تھا۔ اور ارادہ یہ تھا کہ وہاں اس کی فوٹو کاپیاں کراکے علماء میں تقسیم کردیا جائے گا۔ لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے اس کی فوٹو کاپیاں نہ ہوسکیں تو خیال ہوا کہ میں یونہی اس کو پڑھ دونگا۔ اس مقالہ میں حضرت مصنفؒ کے دینی اور علمی خاندانی اور تعلیمی پس منظر کا ذکر تھا، جن اساتذہ کرام سے حضرت نے علم حدیث حاصل کیا تھا خصوصاً حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علم حدیث میں ان کے بلند مقام کا تذکرہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو حضرت مصنفؒ پر اپنے خاص الطاف وکرم فرمائے تھے، مثلاً زندگی بھر خدمت دین سے شغف، مسلمانوں کی دینی، علمی وعملی اصلاح کی فکر اور عملاً ہمہ وقت ان ہی فکروں اور کاموں میں لگے رہنا کہ کس طرح مسلمانوں کو مسلمان بنایا اور باقی رکھا جائے۔ اس مشغولیت اور فکر اور امت کے مختلف طبقوں اور حلقوں کے ساتھ براہِ راست رابطہ کے نتیجہ میں اللہ نے حضرت مصنفؒ کو ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مشکل سے مشکل بات کو نہایت سہل الفاظ وتعبیرات میں ادا فرمالیتے تھے۔ پھر الحمدللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اعلیٰ درجے کا مومنانہ تعلق اور اِس پر ایمان ویقین کہ ہر گمراہی وضلالت سے بچانے اور صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے اس ذات والا کی اتباع ہی ایک چابی اور کنجی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مصنفؒ کے پیش نظر ان باطل افکار وتحریکات کا رد بھی تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں غلط اور گمراہ کن اوھام پیدا کرنے والی تھیں۔ حضرت مصنفؒ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم ومعارف سے بھی بھرپور نوازا تھا۔ اس لئے معارف الحدیث میں دینی دعوت، اصلاح امت اور باطل وغلط نظریات کا رد، اور نہایت سہل طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا مطلب ومقصد اور پورے دین کی ترجمانی نظر آتی ہے۔

اس مقالہ میں میں نے معارف کی آٹھوں جلدوں سے متعلق ابواب واحکام کی احادیث بھی ذکر کی تھیں جس سے پوری معارف الحدیث کا ایک تعارف بھی ہوجاتا ہے۔

لیکن وہاں صورت حال یہ تھی کہ غیر ملیالم زبان کے ہر ایک لفظ کا ملیالم میں ترجمہ کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا اس کا موقع نہیں معلوم ہوا کہ پہلے یہ پڑھا جاتا اور بیچ میں اس کی ترجمانی ہوتی اور اس کام میں بہت وقت لگ جاتا۔ اس لئے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ میں وہ مقالہ مولانا عبدالشکور صاحب کے حوالہ کردوں اور وہ اس کو سامنے رکھ کر اسی کے مطابق ملیالم میں تقریر کردیں اور ایسا ہی ہوا۔ اس کے نتیجے میں کم وقت میں پوری بات سامعین کو پہنچ گئی۔ رسم اجراء کے بعد میں نے جو بات کی اس میں حضرت مصنف کے تذکرہ اور معارف کے بیان کے ساتھ خاص طور پر یہ بات بیان کی کہ ہمارے بزرگوں کے کاموں کی تاثیر اور مقبولیت کا اصل سبب اخلاص، بے نفسی اور تعلق مع اللہ تھا۔

اس سفر کا سفرنامہ لکھنا مقصود نہیں لیکن مولانا سے متعلق کچھ باتیں ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے مولانا اپنی مقبولیت کے باوجود بڑے بے نفس اور محنتی شخص ہیں۔ ہمہ وقت دین کے مختلف النوع کاموں میں لگے رہتے ہیں، میں مولانا کی دعوت پر گیا تھا لیکن جس وقت کوچی کے ایرپورٹ پر اترا تو مولانا کا بہت معذرت کا فون پہنچا کہ میں ایک جگہ پھنس گیا ہوں۔ لیکن میرے قریبی دوست آپ کا استقبال کرنے کے لئے آپ کے نام کی تختی لئے ہوئے ایرپورٹ پر حاضر ہیں۔ وہ ایرپورٹ کے قریب ہی ایک ہوٹل پہنچادیں گے جو میرے ایک دوست کا ہے میں جب باہر آرہا تھا تو ایرپورٹ پر اندر ایسی جگہ جہاں تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی وہ صاحب مل گئے، سلام ودعا کے بعد میرا سامان لیکر گاڑی تک آئے اور مجھے گاڑی میں بٹھا کر ایرپورٹ واپس ہوگئے، ڈرائیور نے بتلایا کہ یہ ایرپورٹ کے عملہ کے ایک صاحب تھے۔ میں چند منٹ میں ہی مذکورہ ہوٹل جس کا نام فلورا ہوٹل تھا، پہنچ گیا۔ ہوٹل کے مالک جناب محمود صاحب میرے منتظر تھے

،نہایت خوش اخلاقی اور تواضع کے ساتھ پیش آئے ، ابھی چائے اور وضوء سے فارغ ہی ہوا تھا کہ مولانا پہنچ گئے ۔مولانا کے ساتھ ہمارے شاگرد مولوی لقمان جعفری ندوی بھی تھے یہ اس وقت سے واپسی تک سایہ کی طرح ساتھ لگے رہے اور سفر میں ان سے بہت راحت ملی ، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔محمود بھائی کے آفس کے پاس ہی ایک کمرہ بطور مسجد استعمال ہوتا ہے وہاں مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھیں ۔ پھر جناب محمود صاحب ہم لوگوں کو لے کر کھانے کے کمرہ میں لے آئے ۔کھانے سے فارغ ہوکر ہوٹل کے عقبی دروازہ تک جہاں مولانا کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی بھائی محمود صاحب رخصت کرنے کے لئے آئے ، ہوٹل اور محمود صاحب کا ذکر بس مولانا کی مقبولیت کے اظہار کے لئے کر دیا ہے، اللہ نے مولانا کو بہت ہی مقبولیت عطا فرمائی ہے ۔حالانکہ وہ نہایت سادہ رہتے ہیں اور ابھی انہوں نے بڑھاپے کی دہلیز پر قدم بھی نہیں رکھا ہے ۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے ۔

ہوٹل سے غالباً دس بجے رخصت ہوئے ہوں گے ، راستہ میں بارش نے موسم کو بہت خوشگوار بنا دیا تھا ۔ بارہ بجے کے بعد کائم گلم نامی شہر میں مدرسہ حسینیہ پہنچے ۔اب سونے کے علاوہ کوئی کام بھی نہ تھا ، الحمد للہ دن بھر کے سفر کے بعد آرام دہ بستر ملا اور بہت اچھی نیند آئی ۔صبح فجر میں مدرسہ کے نوجوان مہتمم مولانا سفیان صاحب سے ملاقات ہوئی بڑے ہی متواضع ، متقی پرہیز گار شخص ہیں ۔ان کے دادا سیٹھ عبدالستار صاحبؒ جو اصلاً کچھ (گجرات) کے رہنے والے ہیں اور کبھی بسلسلۂ تجارت کیرالا آئے تھے ، نے اپنے مصارف سے یہ مدرسہ قائم کیا تھا اور الحمد للہ ابھی تک مدرسہ ان کی اولاد ہی کے خرچ سے چلتا ہے ، بڑا مدرسہ ہے دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے ، مولانا عبدالشکور صاحب نے یہاں پڑھایا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے اہل مدرسہ نے ہم لوگوں کے ساتھ ہر طرح محبت واکرام کا معاملہ کیا ، صبح چائے وناشتہ کے بعد کچھ آرام کر لیا اور گیارہ بجے پھر یہاں سے روانہ ہوگئے ۔فجر کے متصلاً بعد ہی طلبہ سے کچھ عرض کر لیا تھا اور یہاں آئندہ ہر جگہ اردو کر ملیالم میں منتقل کیا جاتا رہا اس کا بڑا احساس رہا کہ مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اردو تقریر کا ترجمہ ملیالم میں کرنا پڑتا ہے ۔ مدرسہ حسنیہ سے گیارہ بجے روانہ ہوکر مولانا عبدالشکور صاحب کے موجودہ شہر اوچر اور مولانا کے مدرسہ دارالعلوم اوچر پہنچے ۔ یہاں پہلے ہی مدرسہ کی مسجد میں اصلاح معاشرہ کے عنوان پر جلسہ ہو رہا تھا جس میں تقریریں ملیالم ہی میں تھیں ۔اور اس اردو والے کی تقریر کا ترجمہ بھی ملیالم میں ہوا ، مجمع بہت اچھا اور ہمہ تن گوش تھا ۔جلسہ سے فارغ ہوکر نماز ظہر پڑھ کر مولانا کے گھر حاضر ہوئے معلوم ہوا کہ مولانا نے اپنے گھر

کے ایک حصہ کو مدرسہ ''دارالقرآن'' بنادیا ہے اور مولانا کی اہلیہ اور بڑی بیٹی بھی معلمہ ہیں۔

دوسرے دن مولوی الیاس ندوی بھٹکلی کے ایک انگلش میڈیم اسکول کے جلسہ میں شرکت کی۔ جلسہ کے بعد مولوی جمال ندوی کے گھر قیام وطعام کا انتظام تھا۔ مولوی جمال ابوظبی میں رہتے ہیں، ان کے ساتھ مولوی معزالدین ندوی بھی تھے۔ آخری پروگرام کیرالا کے دارالسلطنت ترویندرم کی ایک بہت بڑی مسجد میں جس میں مولانا ہر ہفتہ درس قرآن دیتے ہیں اور پروگرام بھی قرآن مجید سے متعلق تھا اس میں شرکت کر کے مولانا کے ایک عزیز کے زمزم ہوٹل میں کھانا کھایا اور لکھنؤ کو واپسی شروع ہوگئی، ۱۰رمئی سے شروع ہونے والا یہ سفر ۱۸رمئی کی دوپہر کو ختم ہوگیا۔ سفر میں ہر جگہ مولانا کی وجہ سے بڑی محبت واکرام سے نوازا گیا۔

☆☆☆

مولانا عمرین محفوظ رحمانی

دعوت واصلاح کا صحیح طریقۂ کار

اصلاحِ عقائد، اصلاحِ اعمال اور اصلاح اخلاق کی جیسی کچھ ضرورت آج کے دور میں ہے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے جیسی اور جتنی کچھ کوششیں انجام دی جارہی ہیں وہ سب ہی جانتے ہیں، لیکن ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ اتنی ساری محنتوں اور کوششوں کے باوجود عام طور پر اصلاح کیوں نہیں ہو پارہی ہے ؟ وجوہات تو بہت ساری ہیں لیکن ایک بڑی وجہ مصلحین (باتوفیق افراد اور مخلصین کو چھوڑ کر) میں اخلاصِ کامل اور اصلاح کے قرآنی اصولوں اور نبوی طریقوں پر عمل کی کمی ہے۔ جس کی وجہ سے دعوت واصلاح کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آرہے ہیں۔

اصلاح کے لئے کیسا طریقۂ کار ہونا چاہئے اور کتنی محبت، نرمی، ہمدردی وغمخواری اور خلوص کے ساتھ دعوتِ دین اور اصلاح کا فریضہ انجام دینا چاہئے اور ان سب سے بڑھ کر اصلاح کرنے والے کا اللہ پاک سے کیسا مضبوط تعلق اور مدعو افراد کے لئے دعا وتضرع کا اہتمام ہونا چاہئے اس کا اندازہ اکابر اہل اللہ کے مندرجہ ذیل واقعات سے آپ بخوبی کرسکیں گے۔ اللہ پاک ہم سب کو صلاح وتقویٰ کی نعمت دے اور ہم سے بھی اخلاص اور محبت وحکمت کے ساتھ اصلاح کی کچھ خدمت لے لے۔ آمین

۞۞۞

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ وضو فرمارہے تھے۔ ان کے سامنے ایک نوجوان پٹھان بھی وضو کررہا تھا۔ اس نوجوان کے پاؤں خشک رہ گئے۔ شاہ صاحب نے حکمت عملی سے کام لیا اور فرمایا کہ:

''بھائی! میں بوڑھا ہوں میری نظر کمزور ہے مہربانی فرما کر میرے پاؤں دیکھو کہ کہیں خشک تو نہیں رہ گئے۔ حدیث میں اس بارے میں سخت وعید آئی ہے۔''

جب نوجوان نے اپنے پاؤں دیکھے تو وہ خشک تھے اس نے کہا کہ:

''اے شیخ! خدا آپ پر رحمت کی بارش برسائے آپ نے مجھے اچھے وعظ اور اچھی نصیحت سے غلطی بتلائی۔'' اوراس نے فوراً اپنی اصلاح کر لی۔ (فلسفہ نماز وتبلیغ، ص:۱۷)

فائدہ: اصلاح کے لئے عام طور پر محبت اور نرمی زیادہ مفید ہوتی ہے اور غلطی کرنے والے کو جب ہمدردی اور حکمت کے ساتھ متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ خیر کے راستے اور بھلائی کی بات کو جلد قبول کر لیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کا طریقہ کار یہی تھا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے آپ لوگوں کے لئے نرم ہو گئے۔ اور اگر آپ سخت دل اور سخت زبان ہوتے تو یہ سارے لوگ آپ کے اردگرد سے ہٹ جاتے۔'' (آل عمران، آیت:۱۵۹)

۞۞۞

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا، آپ نے بعد وعظ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جایئے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے خلوت (تنہائی) میں بٹھا کر یوں فرمایا: ''میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں۔''

اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے اس شخص نے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر عیب کیوں ہوتا البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریق سے آج تک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا اب تائب ہوتا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ (حکایاتِ اسلافِ دیوبند، ص:۲۰)

فائدہ: تجربہ کار مصلح ایسا طریقۂ کار اختیار کرتا ہے جس سے غلطی کرنے والے کی رسوائی نہیں ہوتی اور طریقۂ کار کی خوبی اس میں ندامت اور شرمندگی اور اپنی غلطی کی درستگی کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ ناتجربہ کار اور جوشیلا مصلح اپنے طریقۂ کار کی غلطی اور عجلت و بے صبری کی وجہ سے غلطی کرنے والے کو سرکش اور ضدی بنا دیتا ہے۔ اور اصلاح کرنے والے طبقے سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ہمارے اکابرین و بزرگانِ دین اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے کہ گنہگار کی دل شکنی نہ ہو اور مجمع عام میں اسے رسوا نہ کیا جائے۔ ہمارے اکابر کا طرزِ عمل اصلاح کے سلسلے میں تسدید (درست کرنا) تھا نہ کہ تشدید (بے جا سختی کرنا)۔

۞۞۞

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے مسجد میں وعظ فرمایا، وعظ کے ختم ہونے پر ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے آہ بھر کر کہا کہ: ''افسوس میں بہت دور سے وعظ سننے آیا تھا یہاں ختم بھی ہو گیا''

مولانا اسماعیل شہیدؒ نے فرمایا کہ: ''بھائی تم افسوس نہ کرو آؤ میں تم کو سارا وعظ دوبارہ سنا دوں گا۔''

چنانچہ آپ نے اس کے سامنے سارا وعظ دہرا دیا۔ (حکایات اسلافِ دیوبند، ص ۲۴)

فائدہ: اخلاص ہر عمل کی کامیابی اور مقبولیت کی اولین شرط ہے اخلاص کے ساتھ کیا جانے والا تھوڑا عمل بھی کافی ہے اور ریاکاری والا بہت سارا عمل وبالِ جان! اصلاحی کاموں میں اخلاص جس درجے کا ہوگا ویسے ہی حوصلہ افزا اور حیرت انگیز نتائج سامنے آئیں گے انشاء اللہ۔

۞۞۞

ایک مرتبہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا جلال آباد یا شاملی سے گذر ہوا ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ پانی کھینچا وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ: ''یہاں کوئی نمازی نہیں؟''

اس نے کہا: ''اجی سامنے خاں صاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔''

آپ ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشے میں مست تھے آپ نے خاں صاحب سے فرمایا۔: ''بھائی خان صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں گے اور مسجد آباد ہو جائے گی۔''

خان صاحب نے کہا: ''میرے سے وضو نہیں ہوتا اور نہ یہ دو بری عادتیں چھوٹتی ہیں۔''

آپ نے فرمایا کہ: ''بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔''

اس نے عہد کیا کہ: ''میں بغیر وضو پڑھ لیا کروں گا۔''

آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلے پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ: حضرت آپ! سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں اول یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں خوب روئے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ نے فرمایا کہ: ''سجدہ میں میں نے جناب باری سے التجا کی تھی

کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا، اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔''

ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ: ''جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے، لاؤ غسل کرلیں، کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے، غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ بعد نماز باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہونچے تو طوائف موجود تھیں۔ اول کھانا کھانے گھر میں گئے۔ بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے، ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے۔ اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی فوراً باہر آئے۔ رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیج دو۔'' ان خان صاحب کی پچیس سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

(حالاتِ مشائخ کاندھلہ، ص: ۳۵)

فائدہ قرآن پاک میں اللہ تعالی نے دعوتِ دین کے سلسلے میں حکمت کا راستہ اپنانے کا حکم دیا ہے، حکمت کا مفہوم بہت وسیع ہے خلاصہ یہ ہے کہ مدعو کی ذہنی سطح کے مطابق محبت اور نرمی کے ساتھ خیر اور بھلائی کی بات اس طرح پہنچائی جائے کہ خیر کا جذبہ ابھر آئے اور شر کا پہلو دب جائے۔ رہ گئی یہ بات کہ بے وضو نماز پڑھنے اور گناہوں کی اجازت کس طرح دی گئی؟ تو اس کا سمجھ میں آنے والا جواب یہ ہے کہ حضرت کاندھلویؒ کو اپنی مومنانہ فراست کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان کی اصلاح اسی ذریعے سے ہوگی، چنانچہ انہوں نے ترغیب دی اور اللہ نے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائی۔ حضرت کا یہ عمل دوسروں کے لئے دلیل تو نہیں بن سکتا لیکن اصلاح و دعوت کا طرز سمجھانے کے لئے بہترین مثال ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مدعو کے لئے انہوں نے کس طرح سجدے میں گر کر رو رو کر اللہ سے فریاد کی۔ اللہ کے آگے عاجزی اور فریاد اور مخلصانہ دعاؤں کا اہتمام شعبۂ اصلاح کی شاہ کلید ہے۔

☆☆☆

الفرقان کی ڈاک

مکتوب گرامی جناب مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری زید مجدہ

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

محترم المقام مخدوم معظم حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب سجاد نعمانی زید مجدکم السامی ومدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آنجناب کو صحت وعافیت کے ساتھ مزید ایمانی اور روحانی ترقیات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

''الفرقان'' کے تازہ شمارے میں اس ناکارہ کی ''گستاخانہ''[1] معروضات پر آنجناب نے جس بے مثال تواضع کا مظاہرہ فرمایا[2]، یقین فرمائیں کہ اس کی وجہ سے احقر کے دل میں جناب کی قدر وعظمت میں (جو الحمدللہ پہلے بھی کم نہیں تھی، مگر اب اس میں) مزید اضافہ ہوگیا ہے، احقر جیسے کندۂ ناتراش کی کیا بساط کہ آنجناب کی اصلاح کرے؛ کیوں کہ احقر کا تو پورا وجود ہی باعثِ شرمندگی ہے۔ بس جذبہ یہی تھا کہ کہیں ایک غلط سند بن کر عوام میں نہ چل پڑے، اسی لئے توجہ دلائی گئی تھی۔

مکرر گذارش ہے کہ احقر کی کوئی بات اگر ناگوار گذری ہو تو معاف فرما کر احسان فرمائیں[3]، اللہ تعالیٰ آپ کے علمی وروحانی فیض کو چار دانگ عالم میں جاری فرمائیں، آمین۔

آپ بھی ہمیں اپنی مستجاب دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۸/۱۴۳۳ھ

---

[1] مولانا! یقین فرمائیں، آپ کا مکتوب پڑھتے ہی دل آپ کے لئے تشکر وامتنان کے جذبات سے معمور ہوگیا تھا اور دل سے آپ کے لئے دعا نکلی تھی، شاید یہ آپ ہی کے حسن نیت کی برکت تھی، ورنہ میرے نفس کا حال تو اچھا نہیں ہے، بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ

[2] ایک غلطی کرنے والے نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا، یہ بھی آپ ہی کی بڑائی کا ثبوت ہے کہ اسے بھی آپ نے اس کی تواضع کی علامت قرار دے دیا —— زاد کم اللہ

[3] مولانا! اللہ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ الحمدللہ مطلقاً ناگواری نہیں ہوئی۔ ممنون تھا اور ممنون ہوں۔ بارگاہ خداوندی میں ملتجی ہوں کہ خصوصاً غربت اسلام کے اس دور میں علم دین کی خدمت کی طرف منسوب ہم سب کے دلوں کو ایک دوسرے کے لئے مخلصانہ محبت اور خیرخواہی کے جذبوں سے بھر دے اور ایک دوسرے کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے —— اور آپ کو ایسا چشمۂ فیض بنا دے کہ دور دور تک کے لوگ سیراب ہوں۔

رحمان فاؤنڈیشن
تعارف وخدمات ایک نظر میں

محترم قارئین!

۱۹۹۵ء میں جب کہ ہمارا ملک بابری مسجد کی شہادت کے بعد نفرت اور خوف کی آگ میں جھلس رہا تھا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مشورہ سے اور عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کے شدید اصرار پر مدیر الفرقان مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ نے یہ ادارہ، مختلف شعبوں میں خدمت خلق کے مقصد سے قائم کیا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ تب سے اب تک یہ ادارہ خاموشی کے ساتھ اپنے مشن میں لگا ہوا ہے۔ شدید اختصار کے ساتھ اس کی حالیہ خدمات کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔طبی امداد: فی الحال تین کلینک ادارہ کے ماتحت چل رہے ہیں۔جن میں ایک لکھنؤ میں اور دو مہاراشٹر کے اس علاقے میں جہاں آج کل محترم مدیر الفرقان کا قیام ہے۔دو میں سے ایک اسی گاؤں ''ممدا پور'' میں ہے جہاں خانقاہ نعمانیہ ہے، اور دوسرا اس سے کچھ فاصلے پر واقع گاؤں ''دامت'' میں ہے، ان دونوں مقامات پر ایک بھی ڈاکٹر موجود نہیں تھا، اس کلینک کے کھل جانے سے مقامی مسلم وغیر مسلم سبھی لوگوں کو بہت راحت ملی۔

۲۔تعلیم: اس شعبہ کے تحت جو ادارے چل رہے ہیں۔ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔دارارقم، جامع مسجد، جہانگیر آباد، ضلع بارہ بنکی (یوپی)۔اس مدرسہ میں ایک سو بیس بچے حفظ وناظرہ (مع تجوید اور ضروری بنیادی تعلیم) حاصل کررہے ہیں۔بچے غریب گھرانوں کے ہیں، اور سب کے قیام وطعام (اور بسا اوقات علاج وغیرہ) کا انتظام مدرسہ ہی کے ذمہ ہے، مدرسہ کے سالانہ اخراجات گیارہ لاکھ روپے ہیں۔مدرسہ کی مستقل عمارت ابھی تک نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کا قیام مسجد اور ایک تہہ خانے ہی میں رہتا ہے جس میں برسات کے موسم میں پانی بھر جاتا ہے۔ایک عمارت کی شدید ضرورت ہے۔جس کا کام شروع بھی کرادیا گیا ہے، عمارت کا تخمینہ ساٹھ لاکھ روپے (60,00,000) ہے۔

۲۔ممدا پور نیرل (مہاراشٹر) میں واقع ''**معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیہ**'' بھی رحمان فاؤنڈیشن ہی کا ایک شعبہ ہے۔اس ''معہد'' میں فارغ التحصیل نوجوان علماء کو دوسالہ ایسے تکمیلی اور تربیتی نظام سے گذارا جاتا ہے جس سے وہ اسلاف کے طریقہ کے پابند رہتے ہوئے اور دور جدید کے مزاج اور نفسیات کی بھی رعایت کرتے ہوئے قرآن وحدیث اور شریعت اسلامی کی بہتر تفہیم وتشریح کے لائق بنیں۔ نیز انگریزی، سیاسیات، معاشیات، عالمی تاریخ وجغرافیہ اور کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم بھی ان کو دی جاتی ہے —— دوسال کا تجربہ بتاتا ہے

کہ یہ معہد اپنے مقاصد میں بہت اچھی کامیابی حاصل کررہا ہے اورانشاء اللہ اس کی خصوصی افادیت کوجلد ہی علمی حلقوں میں محسوس کیا جائے گا—اساتذۂ کرام ،طلبۂ عزیز کے قیام وطعام اور ماہانہ وظیفوں میں سالانہ بیس لاکھ روپے کے اخراجات ہورہے ہیں۔

۳۔ ہرماہ ایسے متعدد بچوں اور بچیوں کی تعلیمی فیس کی ادائیگی کے لئے جومختلف اسکولوں اور کالجوں میں زیرتعلیم ہیں اورجو یاتو یتیم ہیں یاان کے والدین اپنی غربت کی وجہ سے فیس کی ادائیگی سے قاصر ہیں، تقریباً بیس ہزار روپے دئے جاتے ہیں۔

۴۔ **بیوہ پنشن:** بے سہارا، بیوہ یا مطلقہ خواتین کوبھی ماہانہ پنشن کے طور پر ایک رقم دی جاتی ہے، سال رواں میں اس مد میں تقریبا ایک لاکھ پچیس ہزار روپے خرچ کئے گئے۔

ہم ہم کارکنان ادارہ امید کرتے ہیں کہ آپ سب ان خدمات کی قبولیت کے لئے دعاؤں کا بھی اہتمام فرمائیں گے اوران میں زکوۃ وعطیات کے ذریعہ تعاون بھی فرمائیں گے، ہمارے اکاؤنٹ درج ذیل بنکوں میں ہیں:

A/c Holder Name: **"RAHMAN FOUNDATION"**

1-BANK : ICICI BANK. A/c with BRANCH: HAZRATGANJ LUCKNOW
A/c No.628101100866 (RTGS/NEFT/IFSC code : icici0006281)

2-BANK OF BARODA A/c with BRANCH: BARABANKI
A/c No.25150100008764 (RTGS/NEFT/IFSC code : BARBOBARBAN)

3-BANK OF BARODA A/c with BRANCH: NERAL RAIGAD
A/c No. 37800100001737 (IFSC Code: BARBONERALX)

تمام اکاؤنٹس SAVING BANK ہیں۔ چیک یاڈرافٹ، میں صرف ''رحمان فاؤنڈیشن'' لکھا جائے گا۔نقدرقم جمع کرنے کی صورت میں تاریخ کونوٹ ضرورکرلیں،اوررسید کا مطالبہ ضرورکریں۔ چیک یاڈرافٹ مندرجہ ذیل پتہ پرروانہ کریں۔

RAHMAN FOUNDATION
26, Station Road, Near Vikas Deep Building, Lucknow 226001.
Ph:+91-522-4004726

بیرون ملک کے حضرات رقم بھیجنے سے پہلے فون یاای میل کے ذریعہ رابطہ قائم کرلیں۔
+919415049598-9370876529-9552505704
nomani_sajjadbilal@yahoo.com
aamir.ubed.hashmi@gmail.com

تم زمین والوں پررحم کرو، آسمان والاتم پررحم کرے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔